مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں

(فرمودہ مؤرخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۷ء بمقام شملہ)

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ○ [1]

جیسا کہ آپ صاحبان نے اشتہار میں مطالعہ فرمایا ہوگا میرا مضمون مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔ گو میرا مضمون مسلمانوں کی قومی اور انفرادی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔ مگر یہ مضمون اس قسم کا ہے کہ قدرتی طور پر دوسری اقوام کا ذکر صراحتاً یا اشارتاً کرنا پڑتا ہے۔

قومی ذمہ داریاں ہمیشہ اس غرض کے لئے ہوا کرتی ہیں کہ ایک قوم اپنی ہمسایہ اقوام میں عزت و خوشحالی، قوت و بزرگی کے ساتھ زندگی بسر کرسکے۔ اور ہمسایہ قوموں میں عزت و بزرگی سے زندگی بسر کرنے کے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم ان تعلقات پر غور کریں جو ہمارے ہمسایہ اقوام سے ہیں۔ پس اس صورت میں لازماً دوسری اقوام کے متعلق ہم کو کچھ نہ کچھ کہنا پڑے گا خواہ اشارتاً ہو یا بعض جگہ صراحتاً۔

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے

ایک بات مَیں شروع میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے مذہب کا نام اسلام ہے اور اسلام میں داخل ہونے کا نام ایمان، اور اسلام کے معنے جہاں اپنے آپ کو کلیۃً خدا کے سپرد کر دینا ہے وہاں اس کے معنوں میں یہ بات داخل ہے کہ مسلم اپنے آپ کو بھی سلامتی میں رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی سلامتی بخشتا ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کا نام ایمان ہے اور یہ لفظ یُمن یا امن سے نکلا ہے۔ اور اس کے معنے برکت یا امن کے ہیں اس لئے ایمان کے معنے جہاں مان لینے کے ہیں امن دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن خود بھی امن میں ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی امن دیتا ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا نام بھی مؤمن ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی دوسرے خدا پر (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ایمان لاتا ہے بلکہ یہ کہ دنیا کو امن بخشتا ہے۔

پس میں اپنے ان دوستوں کو جو اس نام میں میرے شریک ہیں جس کو مَیں نے اختیار کیا ہے یعنی مسلم اور مؤمن اور ان دوستوں کو جنہوں نے اس نام کو قبول نہیں کیا بتا دینا چاہتا ہوں کہ:۔

میرے مذہب کی بنیاد امن و سلامتی پر ہے اگر اس مذہب کے پیروؤں میں سے کوئی شخص خواہ وہ کوئی بھی ہو اس تعلیم اور مفہوم کے خلاف کرے گا تو اس کا یہ فعل سراسر ناجائز اور ناروا ہو گا اور اس کی ذمہ داری اس پر ہے نہ اسلام پر۔ اگر میں (خدانخواستہ) تعلیم اسلام کے خلاف کروں تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی نہ میرے مذہب پر۔

ایسی حالت میں یہ غلطی ہو گی ان لوگوں کی جو کسی شخص کی ذاتی ذمہ داری کو اسلام یا اس کی تعلیم کی طرف منسوب کریں کیونکہ جس مذہب کا نام اور کام امن اور صلح پر مشتمل ہو وہ اس کے خلاف تعلیم نہیں دیتا جہاں اسلام امن اور صلح کی تعلیم دیتا ہے۔ وہاں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ امن کے معنے نفس کو مٹا دینے کے نہیں اور نہ شخصی اور قومی برتری اور حفاظت کے لئے سعی کرنا امن کے خلاف ہے بلکہ اپنی یا قوم کی ترقی کے لئے جائز طریقوں سے سعی کرنا خود حفاظتی اور امن کا ذریعہ ہے۔

جس طرح بعض لوگ کسی کے ذاتی فعل کو جو تعلیم اسلام کے خلاف ہو اسلام کی تعلیم قرار دینے میں غلطی کرتے ہیں اسی طرح جب کوئی شخص اپنی یا قومی ترقی اور حفاظت خود اختیاری کے لئے سعی کرتا ہے تو وہ اسے خلاف امن سمجھتے ہیں اور یہ بے انصافی اور غلطی ہے۔

دیکھو حکومتیں وہ کسی ملک اور کسی قوم کی ہوں فوجیں اور پولیس رکھتی ہیں اور ان فوجوں اور

توپ خانوں پر کروڑوں روپیہ خرچ کرتی ہیں کیا ان کی غرض ملک میں امن قائم رکھنا ہوتا ہے یا بدامنی پیدا کرنا؟ حکومت کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک اور اس کی سرحدوں پر امن قائم رکھیں تا اس کی رعایا اور ملک امن کی حالت میں ہر قسم کی ترقی کر سکے۔

پس کوئی قوم اگر جائز طریقوں پر اپنی ترقی کے لئے کوشش اور اپنی حفاظت کے لئے سامان کرتی ہے اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں کسی دوسری ہمسایہ قوم کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچاتی بلکہ اپنے ایک جائز حق کو استعمال کرتی ہے تو اس کی ہمسایہ قوموں کو حق نہیں پہنچتا کہ اس قوم کو ترقی کرنے سے روکیں اور یہ کہتے ہوئے روکیں کہ تم امن کے خلاف کرتے ہو۔ بے شک فتنہ کی راہیں مسدود ہیں اور ہونی چاہئیں لیکن ترقی کی راہیں ہمیشہ اور ہر شخص اور ہر قوم کے لئے کھلی رہنی چاہئیں۔

ہندوستان کی موجودہ حالت

اس تمہید کے بعد میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان کی جو حالت ہو رہی ہے۔ اور جو فتنہ و فساد ہندو مسلمانوں میں باہم ہو رہے ہیں وہ ایسے حدود کے اندر نہیں رہے کہ انہیں نظر انداز کیا جا سکے اور اتنے شاذ و نادر نہیں ہیں کہ اَلنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ کہہ کر ہم ختم کر دیں بلکہ ضرورت ہے کہ ہم ان فسادات کو امن سے بدل دیں اور ان موجبات اور اسباب کا ازالہ کریں جو آئے دن ان فسادات کو پیدا کرتے ہیں۔ سارا ملک اس وقت پراگندگی، نفاق اور شقاق کا نقشہ بن رہا ہے بلکہ حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ درحقیقت نہ کسی ہندو کو اختیار ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنا ملک کہہ سکے اور نہ کسی مسلمان کو۔ اس لئے کہ کوئی اپنی چیز کو اس طرح پر تباہ و برباد نہیں کرتا۔ حب وطن کا دعویٰ ایک طرف اور یہ عملی تباہی دوسری طرف۔

ایک تاریخی واقعہ

مجھے اس موقع پر ایک مشہور تاریخی واقعہ یاد آگیا ہے۔ کہتے ہیں ایک شخص کی دو بیویاں تھیں اور ان دونوں کے دو بچے تھے۔ وہ شخص کہیں باہر گیا ہوا تھا اتفاق سے ایک عورت کا بچہ بھیڑیا لے گیا۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ خاوند اسی سے زیادہ محبت کرے گا جس کا بچہ ہو دوسری عورت کے بچہ پر قبضہ کر لینا چاہا۔ وہ شور مچاتی تھی کہ میرا بچہ ہے اور دوسری کہتی تھی کہ میرا ہے۔ آخر یہ تنازعہ حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہنچا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کرنے میں بظاہر بڑی دقت تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو ایک طریق فیصلہ سمجھا دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک تیز چُھری لاؤ چنانچہ جب چُھری لائی گئی تو انہوں نے کہا مَیں اس مقدمہ کا

فیصلہ اس طرح پر کرتا ہوں کہ بچہ کو ذبح کر کے دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دوں۔ یہ کہہ کر چُھری کو ایسے انداز سے پکڑا کہ گویا وہ ابھی ذبح کر دیں گے۔ یہ دیکھ کر بچے کی اصل ماں جو اپنی مامتا سے بے قرار تھی نے کہا خدا کے واسطے ایسا نہ کرو یہ بچہ میرا نہیں اس دوسری کا ہے۔ مگر اس دوسری کو ذرا بھی احساس نہ تھا اور وہ خاموش کھڑی تھی۔ حضرت سلیمان نے اس پر اس ماں کو جو اپنی مامتا کا اظہار کر چکی تھی بچہ دے دیا اور کہا کہ تُو ہی اس کی اصلی ماں ہے تیرا بچہ تجھے مبارک ہو۔ اب غور کرو کہ ایک عورت اپنے بچہ کو قربان ہوتا ہوًا نہ دیکھ سکی۔ اگر وہ اپنے سینہ پر سِل رکھ کر دوسری عورت کے سپرد کرنے کو اس لئے تیار ہوئی کہ بچہ زندہ رہے تو میں نہیں سمجھتا کہ ایک قوم یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے اور امن برباد ہو رہا ہے وہ چھوٹی سے چھوٹی قربانی بھی نہ کر سکے اور اس فساد کو دُور کرنے کی کوئی تدبیر نہ کرے تو وہ کس طرح مُحبّ ِ ملک کہلا سکتی ہے۔ پس جو ہندو یا مسلمان فساد کو دیکھ کر خاموش بیٹھا رہتا ہے اور ملک میں امن قائم کرنے کی فکر نہیں کرتا وہ ہرگز ہرگز ہندوستانی کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا اور ہندوستان کے لئے ننگ و عار ہے۔

یہ فسادات کیسی خطرناک صورتیں اختیار کر چکے ہیں۔ گزشتہ تین ماہ کے واقعات سامنے ہیں۔ لاہور، امرتسر، ملتان، کانپور، بریلی، بیتا اور اب ناگپور کے خونی واقعات نے حالات کو بد سے بد تر بنا دیا ہے اور ملک کے امن کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ یہ حالت کسی صورت میں ملک کو ترقی کرنے کے قابل نہ رہنے دے گی۔

مسلمان توجہ کریں

مَیں خصوصیت سے مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس ملک میں تھوڑے ہیں۔ تعداد ہی کے لحاظ سے نہیں مال میں بھی بہت کم ہیں۔ مال ہی نہیں تعلیمی حالت میں بھی بہت پیچھے ہیں۔ پھر تعلیمی حالت ہی میں نہیں بلکہ وہ اس حصہ میں بھی بہت پیچھے ہیں جو ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ یعنی گورنمنٹ سروسز۔

ان تمام باتوں میں ہی نہیں بلکہ میں باوجود یہ کہتے ہوئے شرم و ندامت محسوس کرنے کے کہوں گا کہ وہ انسانی حالت میں بھی پیچھے ہیں۔ ان کی تربیت نہیں، ان میں نظام قائم نہیں۔ پس ایسی حالت میں جبکہ وہ دوسروں سے پیچھے اور بہت پیچھے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ وہ بتائیں کہ کل ان کا کیا حال ہو گا۔

ایک معزّز قوم کی زندگی تو جدا امر ہے وہ سوچیں کہ ایسی حالت میں کیا وہ ذلیل ہو کر بھی

زندگی بسر کر سکیں گے۔ پس قبل اس کے کہ معاملہ حد سے گزر جائے اور مرض لاعلاج ہو جاوے اُٹھو قومی اور شخصی اصلاح کی فکر کرو ورنہ حالت نہایت خطرناک ہے۔

ناگپور کے واقعات پر ایک خط کا اقتباس

فسادات کے متعلق ایک تازہ رپورٹ پڑھتا ہوں۔ لوگوں کو پچھلے حالات سے جو مَیں شائع کر چکا ہوں معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کے لئے ایک درد دیا ہے اور مسلمانوں کی حالت دیکھ کر مجھے جو تکلیف ہوتی ہے خدا کے سوا اسے کوئی سمجھ نہیں سکتا لیکن باوجود اس کے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ فسادات کی تمام تر ذمہ داریاں ہندوؤں پر ہیں۔

میرے پاس ناگپور سے ایک رپورٹ آئی ہے۔ مَیں جانتا ہوں لکھنے والا جھوٹ نہیں بولتا یہ ممکن ہے کہ اس کے کان میں مبالغہ کے ساتھ خبریں آئی ہوں مگر ان حالات کو پڑھ کر اور سن کر ایک شخص اس نتیجہ پر آئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کا اعتماد اُٹھ گیا ہے۔ (اس موقع پر حضرت اقدس نے ناگپور سے آیا ہوا ایک خط سنایا جس میں فسادات کی مفصل رپورٹ تھی۔ چونکہ وہ حالات اخباروں میں آ چکے ہیں اس لئے اس کی نقل کی یہاں ضرورت نہیں)۔

میری ہمدردی سب کے ساتھ ہے

مَیں دیکھتا ہوں کہ آپس کے تعلقات کی اس خرابی نے حالت یہاں تک پیدا کر دی ہے کہ جائز اخلاقی مدد اور ہمدردی کی روح مفقود ہو رہی ہے۔ مَیں نے لاہور کے فسادات میں شائع کیا تھا کہ جہاں مَیں مسلمان زخمیوں سے ہمدردی کرتا ہوں سکھوں اور ہندو زخمیوں سے بھی ویسی ہی ہمدردی رکھتا ہوں۔ یہ ایک معمولی بات تھی اور ہر شخص کو جو انسانیت کی حقیقت سمجھتا ہے ایسا ہی کرنا چاہئے مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے مجھ پر اعتراض کیا کہ مَیں مسلمانوں کے سوا دوسروں سے کیوں ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ اگر مسلمان نہ بھی لڑے ہوتے تو بھی مَیں ہندو اور سکھ زخمیوں کے ساتھ ویسی ہی ہمدردی کرتا۔ اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہی تعلیم دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ظالم اور مظلوم دونوں سے ہمدردی کروں۔ مظلوم کی ہمدردی تو ظاہر ہے کہ وہ ہر قسم کی ہمدردی کا مستحق ہے لیکن ہم کو تو ظالم کی ہمدردی کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روکیں۔

پس میرا مذہب تو یہی ہے کہ مَیں ظالم سے بھی ہمدردی کروں۔ مَیں یہ کہنے سے نہیں رک سکتا کہ ان فسادات میں اگر کسی جگہ ہندوؤں نے ابتداء کی تو مسلمانوں نے بھی کمی نہیں کی پس

جب تک ہم اندرونی اصلاح نہ کریں اور نفس میں تبدیلی نہ کریں فسادات نہ مٹیں گے۔

مسلمانوں کی تعلّیاں

مَیں ایک طرف ان فسادات کے اثرات کو دیکھتا ہوں جو مسلمانوں پر پڑتے ہیں اور پھر ملک کی متحدہ ترقی پر ہوتے ہیں اور دوسری طرف ایسے موقعوں پر مسلمانوں کو کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ اگر پھر ایسا موقع ہوا تو ہم بتا دیں گے اور دکھا دیں گے۔ اس قسم کے دعوؤں کو سن کر مجھے افسوس آتا ہے کہ اس سے ان کی حقیقی وقعت اور عزت کم ہو رہی ہے۔ میری عمر ۴۸ سال کی ہے مگر میرا تجربہ اور تاریخی علم بتاتا ہے کہ ہمیشہ ہی مسلمانوں نے بتا دینے اور دکھا دینے کے دعویٰ کے باوجود کبھی کچھ دکھایا بھی؟ جواب یہی ہے کہ کچھ نہیں۔

اگر بتانے اور دکھانے سے مراد لڑائی جھگڑے اور ملک میں خون کی ندیاں بہا دینا ہے تو مَیں کہوں گا کہ یہ قابلِ شرم ہے خواہ کوئی قوم کرے۔ کیا دوسروں کی جان لینا اور لوگوں کو مارنا بھی بہادری ہے۔ اگر یہ بہادری ہے تو وہ لوگ جو دنیا کے امن کو تباہ کرتے اور ڈاکے مار کر قتل و غارت کرتے اور بالآخر پھانسی پاتے ہیں سب سے بڑے بہادر ہوں گے؟ کیا تم ان کو بہادر کہتے ہو؟ کوئی عقلمند اور شریف الطبع انسان ایسے خونیوں اور ظالموں کو بہادر نہیں کہتا۔

اگر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دوسروں کی جان بچاتے ہو اور کمزوروں کی حفاظت کرتے ہو تو یہ بہادری ہوگی۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ ملک کے امن کو برباد کرنا اور فتنہ و فساد پیدا کرنا یہ بہادری نہیں۔ مَیں مسلمانوں کو کہتا ہوں اس لئے کہ خطاب انہیں سے ہے کہ بتانے اور دکھانے کا یہ مطلب نہیں۔ بتانے اور دکھانے کی کوئی اور بات ہے۔ تم گزشتہ ۸۰ سال کی تاریخ پر نظر کرو کیا کوئی بھی میدان ایسا ہے جس میں تم نے کچھ کر کے دکھایا ہو۔

تم جانتے نہیں کہ ہمارے اندر کیسی طاقتیں ہیں ان پر غور کرو اور پھر کسی شعبہ زندگی میں کچھ کر کے دکھاؤ تو بات بھی ہے۔ تم ہندوؤں کے مقابلہ میں یہ دیکھو کہ تعلیم، تجارت، صنعت و حرفت اور ملازمت کے مقابلہ میں کہاں ہو؟ کیا تم بڑھ گئے ہو یا وہ آگے نکل چکے ہیں۔ اگر تم پیچھے ہو اور ظاہر ہے کہ ہو تو یہ وقت ہے کہ کچھ کر کے دکھاؤ اور اپنے عمل سے بتاؤ کہ تم گو پیچھے ہو مگر ہمت اور کوشش سے آگے بڑھ سکتے ہو۔ مَیں جانتا ہوں کہ جب وہ کہتے ہیں کہ ہم بتا دیں گے دکھا دیں گے تو وہ سچ کہتے ہیں ان میں یہ قوت اور استعداد ہے مگر ان کا نفس انکو دھوکا دیتا ہے۔ پس اس غفلت اور غلط فہمی کو چھوڑ دو اور ایک عزمِ صمیم کے ساتھ آگے بڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ دن کب

آئے گا جب تم کھڑے ہو گے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں کمال کر کے دکھاؤ گے۔ تم کس دن کا انتظار کر رہے ہو۔ کیا اس سے بھی زیادہ ذلت کے بعد اٹھو گے۔

بچپن کا ایک واقعہ

مَیں جب ان واقعات کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ دو دکاندار لڑ رہے تھے ایک نے ایک بٹے کو اٹھایا ہوا تھا۔ اور دوسرے کو کہہ رہا تھا اب گالی دے۔ وہ دوسرا دکاندار دکان میں گھس گیا اور کہا کہ دُوں گا اور دیتا جاتا تھا۔ پہلا بٹا تو ہاتھ میں رکھتا تھا مگر سوائے اس کہنے کے کہ اب کے گالی دے اور کچھ کر نہ سکتا تھا۔ مجھے اس وقت بھی حیرت ہوتی تھی کہ یہ منہ سے کیوں کہتا ہے مار کیوں نہیں دیتا۔

پس جب میں مسلمانوں کے اس قسم کے دعوے سنتا ہوں تو یہ واقعہ باوجود اپنی قباحت اور حماقت کے یاد آ جاتا ہے۔ عملی قوت کے بغیر محض باتیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں اور مسلمان کی زندگی عملی ہونی چاہئے لاف و گزاف کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

کیا مَیں مسلمانوں کو بزدل بناتا ہوں

مَیں دیکھتا ہوں کہ مَیں جب مسلمانوں کو عملی زندگی کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور ان میں حقیقت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہوں اور فسادات سے بچنے کا مشورہ دیتا ہوں تو مجھے کہا جاتا ہے تُو مسلمانوں کا دشمن ہے انہیں بُزدل بنانا چاہتا ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ مَیں مسلمانوں کا دشمن نہیں بلکہ مَیں تو دُنیا میں کسی بھی انسان کا دشمن نہیں۔ مسلمان مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ مَیں انہیں بُزدل نہیں بنانا چاہتاہاں یہ سچ ہے کہ مَیں انہیں حقیقی بہادر بنانا چاہتا ہوں جو اسلام کی عملی زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔ مَیں پسند نہیں کرتا کہ مسلمان باتیں بنائیں بلکہ مَیں کام دیکھنا چاہتا ہوں۔ مَیں انہیں زندگی کے ہر حصہ اور شعبہ میں ممتاز دیکھنا چاہتا ہوں اور اگر حقیقی بہادری کا ان میں ثبوت نہ ہو تو کون اسے تسلیم کرے گا۔ نبیوں کے دعویٰ کو بھی کوئی بِلا ثبوت نہیں مانتا حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو تمہارے دعویٰ کی کیا حقیقت ہے۔ کہتے ہو تو کر کے دکھاؤ اور ہر شعبۂ زندگی میں اپنے کمالات اور امتیاز کا ثبوت دو۔ مجھے حیرت ہوئی اگلے دن مَیں نے کسی کو کہتے ہوئے سنا کہ اردو شاعری میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مَیں کہوں گا اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ کس کام آئے گا۔ علمی ترقی کر کے دکھاؤ تاکہ وہ علمی مقابلوں میں تمہارے کام آئے اور سروسز میں تمہیں آگے بڑھا سکے۔ اب غور کرو کہ جب ہماری اپنی یہ حالت ہو تو ہم محض دوسروں پر زور ڈالنے سے کیا تسلی

پاسکتے ہیں اور ہمارا کیا حق ہے کہ ہم دوسروں پر ناراض ہوں گورنمنٹ پر ناراض ہوں یا ہندوؤں، پارسیوں، عیسائیوں اور سکھوں پر ناراض ہوں۔ ہمارا اپنا قصور ہے کہ علمی ترقی میں آگے نہیں بڑھے۔ خود ہم نے اپنی اولاد کی تعلیمی نگرانی نہیں کی۔ اور شروع میں انگریزی تعلیم کا پانا ہی ناجائز قرار دے دیا۔ ایسی حالت میں ایک ہی علاج ہے کہ بجائے دوسروں پر ناراض ہونے کے ہمت اور محنت سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں تاکہ گذشتہ کی تلافی اگر نہ ہو سکے تو آئندہ کے نقصان سے تو محفوظ ہوں۔

قومی ترقی کا راز

یاد رکھنا چاہئے کہ قومی ترقی انفرادی اور قومی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ ذمہ داری جو ہم میں سے ہر ایک پر قوم کا ایک ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہے اُسے پورا نہ کریں اور اس ذمہ داری کو جو قومی حیثیت سے سب پر ہے پورا نہ کیا جائے قوم میں زندگی کے آثار پیدا نہیں ہو سکتے۔

قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اگر افراد کی حالت اچھی نہ ہو تو قومی حالت کیونکر اعلیٰ ہو گی۔ شخصی صحت اگر درست نہ ہو تو قومی ترقی کیونکر ہو گی۔ اسی طرح اگر مجموعی حیثیت سے قومی اصلاح نہ ہو تب بھی ترقی نہیں۔

اس راز کو سمجھنے کے لئے عمارت کی مثال بہت صاف ہے۔ ایک عمارت کے لئے ضرورت ہے، اینٹ، چونا، لکڑی اور لوہا وغیرہ کی۔ اگر اینٹ خراب ہو یا دوسرا مصالحہ اچھا نہ ہو۔ خواہ کیسے ہی لائق اور قابل معمار اور انجینئر اس عمارت کو بنانے والے ہوں وہ عمارت اعلیٰ درجہ کی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر سامان عمارت تو اعلیٰ درجہ کا ہو لیکن جاہل معماروں کے ہاتھ میں ہو تو بھی اس میں نقص رہ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ اس مصالحہ کو عمدگی اور صحیح طریق سے استعمال کرنا نہیں جانتے۔

ٹھیک اسی طرح قومی ترقی کے لئے دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ افراد کی حالت درست اور عمدہ ہو۔ اور پھر ان افراد سے مجموعی طور پر کام لینے والے بھی صحیح دماغ اور فکر رکھتے ہوں۔ جب تک دونوں باتوں کا انتظام نہ ہو تمام محنت اکارت جاتی ہے۔ لیڈر شور مچاتے ہیں کہ قوم بن جاوے اور وہ ایسی ترقی کرے۔ مَیں کہتا ہوں کیا محض اس قسم کے دعوؤں اور شور سے قومیں بنا کرتی ہیں؟ اس کے لئے سب سے اول ضرورت ہے کہ افرادِ قوم کی انفرادی اصلاح ہو ان کی تربیت ہو۔ جب تربیت ہو چکے تو وہ قوم کے مفید اجزاء بن سکیں گے۔ پھر ان کی قابلیت کے موافق ان سے کام لیا

جاوے۔ یاد رکھو کہ ہر گھر ہر محلّہ ہر گاؤں کی اصلاح جب تک نہ ہو اور ایک ایک فرد اپنے قومی کیریکٹر میں مضبوط نہ ہو تو قوم نہیں بنے گی۔ اور اگر بغیر انفرادی اصلاح اور تربیت کے قوم بناتے ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہو گی جو مختلف امراض کا شکار ہو کر بستر مرگ پر پڑا ہوا ہو اور غرغرہ بول رہا ہو۔ اسے اگر یہ بھی کہا جاوے کہ تیرے بچہ کو قتل کیا جا رہا ہے تو اُسے اُٹھنے کی بھی سکت اور ہمت نہ ہو گی۔ اس بستر مرگ کے مریض سے قومی توقعات کیا ہو سکیں گی۔ مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ یہ ایک خطرناک غلطی ہوئی ہے کہ قوم کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور جنھوں نے انفرادی اصلاح کی طرف توجہ کی ہے انہوں نے ان میں قومی درد پیدا نہیں کیا۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم انفرادی اور قومی حیثیت میں سب سے پیچھے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ہمسائے بہت آگے نکل چکے ہیں لیکن اب بھی اگر صحیح اصول اور صحیح انتظام کے ساتھ ہم اپنی انفرادی اور قومی ذمہ داریوں کا احساس کر کے اصلاح شروع کر دیں۔ تو مَیں خدا کے فضل سے یقین رکھتا ہوں کہ ہم کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوشش کے صحیح طریق کو اختیار کر لیں۔ اب اس اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں پہلے شخصی ذمہ داریوں کو لیتا ہوں۔

مسلمان کی انفرادی ذمہ داریاں

سب سے پہلی چیز جس کی مسلمان کو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنایا جاوے۔ جب تک مسلمان مسلمان نہیں بنتا وہ قومی عمارت کے اندر پختہ اینٹ کے طور پر نہیں لگ سکتا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سب سے پیچھے یا جس کا خانہ بالکل خالی ہے وہ اسلام ہے۔ اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے اگر مسلمانوں میں تلاش کیا جاوے تو سَو میں سے ایک بھی بمشکل نکلے گا جو قرآن شریف پڑھ سکتا ہو۔ اور ایک فی صدی بھی نہیں جو اسلام کی تعلیم سے واقف ہو۔ اور ایک فی ہزار بھی نہ نکلے گا جو عمل کرتا ہو۔ پھر ایسے افراد کا مجموعہ جو قوم ہو گی وہ کیا ہو گی؟ آخر قوم کے کچھ معنے ہیں۔ ہندو، ہندو کہلاتا ہے۔ مسلمان، مسلمان کہلاتا ہے۔ کیوں ہندوستانی کہنے سے یہ مطلب پورا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ امتیازِ نام مذہب اور تعلیم کے سبب سے ہے۔ ہندو کہتا ہے۔ کہ اس کے پاس ایسی تعلیم ہے جو مسلمان کے پاس نہیں۔ مسلمان کہتا ہے ہمارے پاس ایسی تعلیم ہے کہ کسی دوسرے کے پاس نہیں۔ اس لئے ہندو یا مسلمان جدا جدا ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ اگر ہم اس وجہ سے مسلمان کہلاتے ہیں کہ ہماری تعلیم اعلیٰ درجہ کی ہے تو قابل

غور یہ امر ہے کہ کونسی بات ہم میں پائی جاتی ہے۔ اور جب ہم اسلام جو قرآن کریم کی تعلیم ہے اس سے ناواقف ہیں تو پھر کس چیز کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تعجب ہے اسے خود گھر سے عملاً نکال دیا ہے۔ ایک مصری لکھتا ہے کہ قرآن کریم گیارہ جگہ کام آتا ہے۔ منجملہ اس کے (۱) غلاف میں رکھنے کے لئے، (۲) قسم کھانے کے لئے اور آخری استعمال یہ ہے کہ وہ قرآن کریم جو ایک شخص نے مسلمان کہلا کر ساری عمر نہ کھولا تھا۔ مُلّا آکر اس کی قبر پر کھولے۔

مَیں پوچھتا ہوں وہ کتاب جو ہدایت کے لئے آئی تھی، وہ کتاب جو اپنے عامل کو یقیناً کامیاب کر دیتی ہے، وہ کتاب جس کی ابتداء ہی فاتحہ سے ہوتی تھی جو کھلے رہنے کی تعلیم دیتی تھی، آج وہ بند رہتی ہے اور ہم اسے کھول کر بھی نہیں دیکھتے تو پھر کیا حق ہے کہ دوسروں کے گھر جا کر تبلیغ کریں۔

مَیں تو اپنے قرآن کو غلاف میں نہیں رکھتا کہ یہ بند کرنے کے مترادف ہے۔ کُھلا رکھتا ہوں کہ قرآن کریم کی اصل عزت اور عظمت اس کی تلاوت، اس کا فہم اس پر عمل اور پھر اس کی اشاعت ہے۔ پس سب سے مقدم یہی چیز ہے جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ اس کو بند نہیں کھول کر آنکھوں کے سامنے رکھیں اسے سمجھیں اور اس کی تعلیم پر عمل کریں۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ قرآن شریف غلافوں میں رکھنے کے لئے نہیں۔ مجھے تو بعض یہی کہیں گے کہ مَیں اپنے قرآن کو غلاف میں نہیں رکھتا۔ (اس موقع پر آپ نے اپنا قرآن مجید ہاتھ میں لے کر مکرر دکھایا۔ عرفانی) مگر یہ خیال غلط ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تو وہ چمڑہ پر لکھا ہوا تھا۔ اس کا حقیقی اور سچا ادب یہی ہے کہ پڑھو اور عمل کرو۔ مَیں باآواز بلند کہتا ہوں اگر مسلمان اس کے لئے تیار نہیں تو ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسلمان کہلائیں۔ ان کا اختیار ہے ہندوستانی کہلائیں یا کچھ اور۔

تعلیم یافتہ طبقہ کی بے توجہی کا راز اور علماء کی غفلت

غرض سب سے پہلی چیز قرآن مجید کی واقفیت ہے۔ یاد رکھو قرآن کریم بولتا نہیں۔ اس کو سمجھانا علماء کا کام ہے۔ مگر ایک مشکل یہ ہے کہ علماء خود قرآن مجید کے اسرار اور حقائق کو علوم کی روشنی میں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگ جو توجہ نہیں کرتے اس کا بستر کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ جب وہ علماء سے کوئی سوال قرآن مجید کے متعلق ایسے رنگ میں کرتے ہیں جس کا تعلق علوم جدیدہ سے ہو تو علماء بجائے جواب دینے کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ کافر ہو گیا یا یہ کفر ہے۔ اس قسم کی باتوں نے ان کے دل میں روک پیدا کر دی

ہے۔

میرے ایک رشتہ دار یہاں شملہ میں ایک معزز عہدہ دار ہیں۔ انہوں نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مسئلہ کے متعلق شبہات پیدا ہوئے۔ مَیں نے اپنے محلّہ کی مسجد کے امام سے پوچھا کہ ایک اسلام کے نہ ماننے والے نے یہ اعتراض کئے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا اور مجھے سمجھاتا یہ کہا کہ تیرے باپ کے پاس جاکر کہتا ہوں۔ مَیں نے اسی دن سے عہد کر لیا کہ کسی مولوی سے پوچھنا نہیں۔ یہ ایک مثال نہیں مَیں ایسے بہت سے واقعات سے واقف ہوں۔ میرے پاس تو تعلیم یافتہ لوگ آتے ہیں اور وہ اپنے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔ مَیں آزادی سے ان کو پوچھنے کا حق دیتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ اس لئے کہ کانشنس کی آواز کو دبا نہیں سکتے۔ اگر ہم شبہات اور اعتراضات کا جواب نہ دیں گے تو خود اِن کو اسلام اور قرآن سے متنفر کریں گے۔

پس اس بات کو خوب یاد رکھو کہ اگر مسلمان اس کے لئے تیار نہیں کہ اپنی اولاد کو مرتد نہ کریں اور انہیں اس کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہونا چاہئے بلکہ انکو حقیقی مسلمان بنانے کے لئے ہر وقت مستعد اور فکر مند رہنا چاہئے۔ تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ عقل خداداد کی روشنی میں قرآن کریم سکھائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو اسلام صرف کتاب میں رہ جائے گا۔ یہ فلسفہ کا زمانہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ فلسفہ یا سائنس کے نام سے ڈر جانا چاہئے قرآن کریم کا فلسفہ ہی سچا فلسفہ ہے اور محض سائنس یا فلسفہ کے نام سے ہر بیوقوفی کی بات مان لو۔ مَیں خود مثلاً ڈارون کی تھیوری کو نہیں مانتا۔ اور مَیں نے دیکھا ہے کہ اس کے ماننے والے میرے سوالات کا جواب نہیں دے سکتے۔ پس حقیقی علوم اور سائنس قرآن کریم کے خلاف نہیں۔ یہ کمزوری ہو گی اگر ان سے کوئی دب جاوے۔

نبی کریمؐ کی محبت پیدا کرنے کا طریق اور مسلمانوں کا موجودہ عمل

غرض پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو پڑھیں، سمجھیں اور اس پر عمل کریں تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں پیدا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے ضرورت ہے کہ آپؐ کی ان قربانیوں کو بیان کریں جو آپؐ نے قوم اور انسان کے لئے کی ہیں۔ جوں جوں انسان ان قربانیوں پر غور کرے گا آپؐ کے ساتھ محبت اور وفا کا ایک گہرا تعلق پیدا ہوتا جائے گا۔ مگر اب مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ آپ کی قربانیوں پر تو غور نہیں کرتے۔ وہ یا تو آپ کی مدح و ثناء کرتے وقت آپ کے بالوں اور چہرہ کی تعریف کریں گے۔ اور یا آپ کے خوارق اور

معجزات ایسے رنگ میں بیان کریں گے کہ سننے والے کو ہنسی آجاوے۔ مثلاً وہ کہیں گے کہ درختوں نے آپ کو سجدہ کیا یا آپ سے گوہ نے کلام کیا۔ ایک شخص جو صحیح تاریخ کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائف پڑھتا ہو وہ کس طرح ان باتوں کو تسلیم کرے گا۔ اور صحیح حدیث میں جب ایسی باتوں کا نشان نہ ملے تو کیا جواب ہو گا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی، اخلاقی اور روحانی معجزات کیا کم ہیں؟ وہ اتنے اور ایسے ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہوتے اور ہر زمانہ میں ان کی صداقت ثابت ہے۔

اب یہ گوہ کے کلام کرنے کا معجزہ، اس میں کیا خوبی ہے جبکہ واقعات کے خلاف ہو۔ یہ بہت سیدھی بات ہے۔ تاریخ میں ایک شخص کا نام دب لکھا ہے۔ مگر علماء اس کا خیال نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ گوہ بول پڑی۔ اسی طرح وہ شخص جس کے سامنے درخت سجدہ میں گر پڑا ہو، عجوبہ کے طور پر اس کا ادب تو بڑھ سکتا ہے مگر تاریخ میں آکر اس کا وقار کم ہو جائے گا۔ پس ایسی چیز پیش کرنی چاہئے جو ایک حقیقت رکھتی ہو۔ اس لئے میں تاکید کرتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھانے کے لئے آپ کی قربانیاں پیش کرو۔

ہماری کتابوں کے طومار کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا انجیل کا یہ فقرہ اثر کرتا ہے کہ لوگوں کے گناہوں کے لئے آیا ہوں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام نہایت ہی اعلیٰ ہے اور آپ کی قربانیاں بے نظیر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان قربانیوں کو قرآن کریم نے ایک لفظ میں بیان کیا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ [۲] تو اپنی جان کو ہلاک کردے گا اس غم میں کہ لوگ کیوں مومن نہیں ہوتے۔ یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ آپ مخلوق کی نجات اور ان کو خدا تک پہنچانے کے لئے کس قدر فکر مند رہتے تھے۔ آپ کی روزانہ زندگی کو جب ہم دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔ جب ان واقعات کو بیان کیا جائے گا تو کوئی بھی ہو خواہ ہندو یا عیسائی، پارسی ہو یا یہودی، وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ چیز ہے جو محبت پیدا کر سکتی ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات خود پڑھنے چاہئیں اور پڑھانے چاہئیں۔ ایسے مضمون نہیں کہ آپ کی زُلفیں ایسی تھیں اور آنکھیں ایسی تھیں بلکہ آپ کی نیکی، آپ کا تقویٰ، مخلوق کی خدمت کا جوش، دشمنوں کے سخت سے سخت رنج دہ سلوک کے باوجود ان سے نیکی اور ہمدردی۔

دُعا کی طرف توجہ

پھر دُعا اور خشیت الٰہی کی طرف توجہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ [۳] اور زندگی کے ہر شعبہ اور

حالت اور وقت کے لئے آپ نے دعائیں تعلیم فرمائیں۔ مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ آج وہ سب سے زیادہ دعا سے عملاً متنفر ہیں۔ عیسائی سب سے زیادہ دعا کی طرف متوجہ ہیں اور ہندو بھی کم نہیں۔

میرے ماموں صاحب نے جو ڈاکٹر ہیں فرمایا کہ دہلی دربار کی تقریب پر مہاراجہ صاحب دربھنگہ عبادت کرتے ہوئے انگیٹھی سے جل گئے۔ یہ ان کی عبادت میں مشغولیت اور توجہ کی ایک مثال ہے کیا مسلمانوں کے اس طبقہ کے لوگوں میں ایسی مثال ملے گی؟ جو باوجود نوابی کے اپنی عبادت اور دُعا میں ایسے مصروف ہوتے ہوں۔

یورپ جہاں دہریت کا زور ہے اور اپنی دہریت کو یہاں آکر بھی پھیلاتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے دُعاؤں سے وہ بھی غافل نہیں۔ حربِ عظیم کے ایام میں ۱۹۱۸ء میں ایک موقع پر فرانسیسی اور انگریزوں کی فوجوں کو ہیلی کا میدان خالی کر دینا پڑا۔ اس وقت لارڈ ہیگ نے مسٹر لائڈ جارج کو جو پرائم منسٹر تھے تار دیا۔ لائڈ جارج اس وقت اپنے وزراء کو لے کر مشورہ کر رہے تھے۔ تار کا مضمون یہ تھا کہ دنیوی تدابیر کا خاتمہ ہو چکا سوائے آسمانی ہاتھ کے کوئی نہیں بچا سکتا اسی وقت لائڈ جارج کھڑا ہو گیا اور اپنے وزراء کو لے کر دُعا میں مصروف ہو گیا۔ اور کہا اب تدبیر کا وقت نہیں رہا۔ مَیں نہیں جانتا خدا تعالیٰ نے اس دُعا کو سنا یا دنیوی سامان پیدا ہو گئے مگر یہ واقعہ ہے کہ جرمنوں کو کئی گھنٹہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ میدان خالی ہے۔ اتنے میں پیرس سے فوجیں لائی گئیں اور شکست فتح سے تبدیل ہو گئی۔

یہ اس قوم کا حال ہے جس کو دہریہ کہتے ہیں کہ ان میں بھی دُعا کی طرف توجہ پائی جاتی ہے۔ لیکن توجہ نہیں تو مسلمانوں کو۔ ابھی یہاں ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ مَیں نے غور سے سنا کسی ہندو شاعر نے اپنے مذہب کے خلاف نہ کہا مگر مسلمان شاعروں کے کلام میں اس قسم کے مضامین آئے کہ خدا کی جنت کی ضرورت نہیں یا دعا کی ضرورت نہیں۔

مَیں نے انگریزی شعروں کو بھی پڑھا ہے، ان میں بھی یہ بات نہیں مگر مسلمانوں کے اشعار میں ہی یہ بیماری نظر آتی ہے۔ جب ہمارا یہ حال ہو تو دوسروں کو کچھ کہنے کا کیا حق ہے۔

مَیں تو اس وقت فرقہ وارانہ طریق پر نہیں بول رہا ہوں۔ گو میرا ایمان یہی ہے کہ کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک میری جماعت میں داخل نہ ہو مگر مَیں عام طور پر کہتا ہوں۔ شیعہ ہو یا سنی، وہابی ہو یا کوئی اور اس کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف خود دعا کی طرف توجہ کرے اور دعاؤں

کی عادت ڈالے بلکہ اپنی اولاد کو بھی یہی عادت ڈالے۔ انگریز اپنے بچوں کو سونے نہیں دیتے جب تک وہ دعا نہ کرلیں۔ کم از کم اتنا ہی کرو کہ روزانہ زندگی میں دعا کرنے کی عادت پیدا کرا دو۔ اس سے خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا ہوتا ہے کہ اس کے نور کی پھوار پڑنے لگتی ہے۔ مَیں یقین دلاتا ہوں اگر اس پر عمل ہو تو بہت جلد تبدیلی ہو جائے گی۔

(۲) اخلاق کی مضبوطی

دوسری بات جس کی طرف مَیں توجہ دلاتا ہوں وہ اخلاق کی مضبوطی ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کہا ہے کہ لوگ کہیں گے کہ مَیں دوسروں کے سامنے ان کو شرمندہ کرتا ہوں مگر مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرا دل دردمند ہے۔ مَیں جب اپنی قوم کو اس حال میں دیکھتا ہوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے مَیں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی کیا کہے گا۔ مَیں اپنی قوم کو توجہ دلاتا ہوں اور جن امراض میں وہ مبتلا ہے اس سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ پس میری بات سنو کہ اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔

اخلاق کی مضبوطی کے لئے جن امور کی ضرورت ہے۔ ان میں اول راست بازی ہے۔ قومی عمارت میں جس مصالح کی ضرورت ہے وہ انفرادی اصلاح ہے اور پہلی اینٹ راست بازی ہے۔ اس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اور جس قدر اعتماد مضبوط ہوگا اسی قدر قوم میں اعلیٰ اخلاق اور معاملات کی عمدگی پیدا ہوگی۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ مَیں نے مسلمانوں کی اقتصادی فلاح کے خیال سے ان میں تحریک کی کہ وہ تجارت کی طرف توجہ کریں اور اپنی دکانیں کھولیں۔ یہ تحریک کام کررہی ہے اور مختلف جگہ مسلمانوں کی دکانیں کُھل رہی ہیں۔ لیکن میرے پاس کئی شکایات بھی آ رہی ہیں کہ آپس میں اعتماد نہیں تو دوسرے کیا کریں گے۔ اعتماد پیدا کرنے کے لئے راست بازی اول شرط ہے۔ اس لئے خود راست باز بنو اور اپنی اولادوں کو راست باز بناؤ۔ اس بات کی نگرانی کرو کہ وہ جھوٹ نہ بولیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ روزانہ ہم گھروں میں جھوٹ بولتے ہیں تو اولاد میں راست بازی کیونکر پیدا ہوگی۔ ہم خود ان کی اس اعلیٰ قوت کو ضائع کررہے ہیں۔ بچہ کے سامنے ماں نے ایک کام کیا مگر جب باپ نے پوچھا تو انکار کر دیا۔ اب وہ بچہ دیکھتا ہے کہ ماں نے جھوٹ بولا۔ وہ بھی اس قسم کی عادت سیکھ لیتا ہے۔ پس التزام کرو کہ ہرگز جھوٹ نہ بولو۔ اس پر ہرگز عمل نہ کرو کہ ’’دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز‘‘۔ یہ غلط ہے کہ سچ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ سچ اگر مصیبت کے وقت نہ بولو گے تو اور کونسا وقت اس کے بولنے کا ہے۔ پس کسی مصیبت سے ڈر کر سچ کو ترک نہ کرو۔

محنت سے عار نہ کرو

اخلاق کی مضبوطی کے لئے دوسری چیز جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ محنت سے عار نہ کرو۔ ہم محنت سے جی چُراتے ہیں اور کام کرنا عار سمجھتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اس کے لئے قومی حالت ذمہ دار ہے۔ سو سال پہلے ہم بادشاہوں کی قوم کے لوگ تھے۔ پس قومی طریق نے ایسا ہونے دیا۔ ہندو بادشاہ نہ تھے اس لئے وہ محنت سے عاری نہ تھے۔ وہ تنزل میں ترقی کے سامان کر رہے تھے۔ ہم ترقی میں تنزّل کے سامان بنا رہے تھے۔ ہماری مثال سمندر میں کودنے والے کے گلے میں پتھر باندھ دینے کی سی ہے۔ مجھے ایک تاجر نے سنایا کہ انہوں نے اعلان کیا کہ گھر بیٹھے روپیہ کما سکتے ہو۔ اس اشتہار کے جواب میں اس کے پاس ڈیڑھ سو مسلمانوں کے خطوط پہنچے جو بغیر کام کے روپیہ مل جانے کی درخواست کرتے تھے۔ چار پانچ ہندوؤں کی درخواستوں میں سے ایک تو ایسی ہی تھی مگر باقیوں نے لکھا کہ آپ کو ایجنٹ مطلوب ہیں تو ہم ایجنسی لینے کو تیار ہیں۔ اس سے عام ذہنیت کا پتہ مل جاتا ہے کہ ہم روز بروز نکمّے ہوتے جاتے ہیں۔ اس کو چھوڑ دو اپنے اندر اور اپنی اولاد میں کام اور محنت کی عادت ڈالو۔ یہ عمل کی چیز ہے لیکچروں سے کچھ نہیں ہوگا اور نہ کمیٹیاں اس کے لئے کام آئیں گی۔ خواہ خلافت کمیٹی بناؤ یا مسلم لیگ کچھ فائدہ نہیں ہوگا جب تک ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے عملی کام شروع نہ کرے گا۔

(۳) استقلال

مضبوطیٔ اخلاق کے لئے تیسری چیز استقلال ہے۔ جس کام کو استقلال سے نہ کیا جاوے وہ کامیابی تک نہیں پہنچتا۔ حکومت کے زمانہ میں رنگ اور تھا۔ اب تو جب تک پورے استقلال اور صبر سے کام نہ کرو گے کچھ بننے کا نہیں۔ قومیں دنوں اور مہینوں میں نہیں بنا کرتی ہیں، سالوں میں بھی نہیں بنتی ہیں صدیوں میں بنتی ہیں۔ ہندو قوم کو جو تم دیکھتے ہو وہ آج نہیں بن گئی۔ اس کی تاریخ کو غور سے پڑھو گے تو معلوم ہوگا کہ پلاسی کی جنگ کے بعد سے بننے لگی ہے۔

مَیں اور میرے ایک ماموں صاحب ہم طب پڑھنے لگے۔ پہلے ہی دن انہوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ کل مجھے صبح کو بہت جلد اٹھا دینا کیونکہ مولوی صاحب دیر سے آیا کرتے ہیں۔ مَیں جا کر نسخہ وغیرہ مریضوں کے لئے لکھوں گا۔ یہ ایک بچپن کا واقعہ تھا جو میرے سامنے آیا۔ مگر مَیں نے دیکھا کہ یہ مسلمانوں میں ایک مرض ہے کہ ہم ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں اور یہ بے صبری اور عدم استقلال کا نتیجہ ہے۔ پس اپنے بچوں کے ذہن نشین کر دو کہ وہ محنت کریں اور مستقل مزاج ہوں۔ اگر ہم صحیح راستہ پر ہوں تو کچھ حرج نہیں اگر پچاس سال میں کامیاب ہوں۔

(۴) سادہ زندگی

چوتھی بات جس کی ہم کو ضرورت ہے وہ سادہ زندگی ہے۔ مسلمانوں میں اسراف بہت بڑھ گیا ہے آمد سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں ایسے لوگوں کی تعداد بمشکل تین فیصدی ہو گی مگر مسلمانوں میں یہ مرض عالمگیر ہے۔ جب تک ہم میں سادہ زندگی نہ ہو خصوصاً نئی پود میں اس وقت تک قومی حالت کی تبدیلی ممکن نہیں۔

(۵) ادب

پانچویں بات ادب کی کمی ہے۔ ہندو تعلیم یافتہ ہو کر بھی اپنے بڑوں بزرگوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے ہیں۔ مَیں تو اس طرح پر سلام کرنے کو شرک سمجھتا ہوں۔ لیکن مَیں ہندو قوم کا قومی کیریکٹر بتاتا ہوں کہ ان میں اپنے بزرگوں کے ادب کی عملی روح موجود ہے۔ ہم کو یہ تعلیم خصوصیت سے دی گئی تھی کہ جو بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، لیکن یہ ادب مفقود ہے۔ پس ہمارے نوجوان ادب سیکھیں۔ اس سے ان میں وقار پیدا ہوگا اور قومی کیریکٹر مضبوط۔ مَیں اس وقت ایک مثال دیئے بغیر آگے نہیں جا سکتا۔ نان کوآپریشن NON-COOPERATION (ترک موالات) کے زمانہ میں گاندھی جی ترک موالات کا وعظ کہتے تھے۔ لیکن مالوی جی کہتے تھے کہ گورنمنٹ ہاتھ بڑھائے تو ہمیں بھی بڑھانا چاہئے۔ دونوں لیڈروں میں اختلاف رائے تھا مگر اس کا یہ نتیجہ نہ تھا کہ ان میں مخالفت ہو یا ایک دوسرے کی تذلیل روا رکھ سکتا ہو۔ وہ برابر ایک دوسرے کا ادب اور اکرام کرتے تھے۔

دوسری طرف محمد علی صاحب اور جناح صاحب تھے۔ جناح صاحب اس وقت سے مسلمانوں کی خدمت کرتے آئے ہیں کہ محمد علی صاحب ابھی میدان میں نہ آئے تھے۔ لیکن ایک موقع پر اختلاف رائے کا نظارہ یہاں تک دیکھا گیا کہ جناح صاحب کو کھڑکی میں سے نکلنا پڑا۔ دوسری طرف گاندھی جی نے مالویہ جی کو اپنی گدی پر جگہ دی۔ جب رَو بدلی تو مالویہ جی نے کہہ دیا کہ مَیں اپنی قوم کا نمائندہ ہوں مگر جناح کی یہ طاقت نہ ہوئی۔

میرا مطلب اس کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ کام کی قدر کرنی چاہئے۔ اختلاف رائے کی صورت میں بھی ادب کے طریق کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ جناح صاحب میرے لیڈر نہیں۔ مَیں اپنی قوم کا آپ لیڈر ہوں۔ میرا ان سے بعض معاملات میں اختلاف بھی ہے لیکن مَیں ان کی خدمات کے باعث انکو قابل عزت اور قابل ادب سمجھتا ہوں۔ جب تک مسلمانوں میں یہ احساس نہ ہو کہ خدمت کرنے والوں کی خدمات کا اعتراف کریں اور ان کا ادب

کریں اس وقت تک ان میں قومی وقار پیدا نہ ہوگا۔ مَیں اپنی نسبت نہیں کہتا۔ مَیں تو گالیاں سُننے کا مشّاق اور عادی ہوں۔ کافر مرتد جو چاہتے ہیں کہتے ہیں لیکن میں یہ اُصول بتائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو لوگ قوم کی خدمت کرتے ہیں ان کا ادب کرو اور اپنے بچوں میں اپنے عمل سے یہ سپرٹ پیدا کر دو کہ تم اختلاف رائے رکھتے ہوئے بھی خادمانِ قوم کا احترام کرتے ہو۔

(۶) انسانی ہمدردی

چھٹی چیز جس کی ضرورت ہے وہ انسانی ہمدردی ہے۔ مسلمانوں میں اس کا مادہ بھی کم ہے۔ انسانی ہمدردی کے بغیر قربانی کا مادہ نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو یورپ کے عیسائی ہزاروں میل چل کر یہاں آتے ہیں اور کوڑھیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی سیوا سمتی ہے۔ مگر مسلمانوں میں ایسی سوسائٹیاں نہیں۔ پس عام انسانی ہمدردی سے کام کرو۔ جب اس کی عادت ہو جائے گی تو عندالضرورت قوم کے لئے ہر قسم کی قربانی کر سکو گے۔

(۷) مقابلہ کی خواہش

ساتویں چیز جس کی کمی ہے اور اخلاق کی مضبوطی کے لئے ضروری ہے وہ مقابلہ کی خواہش ہے۔ مسلمانوں میں اب یہ قوت نہیں رہی حالانکہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور یہ حکم دیا تھا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ [۴] آپس میں مقابلہ کر کے نیکیوں میں آگے بڑھا کرو۔ قرآن مجید تو آپس میں مقابلہ کی تعلیم دیتا ہے تو غیر قوموں کے ساتھ مقابلہ میں سست ہو جانا تو اور بھی گناہ ہوا۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم مقابلہ میں سست ہوں اور یہ مقابلہ آگے بڑھنے میں ہے۔ جائز اور پُرامن طریقوں سے باپ اور بھائی سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرو کہ اس قوت کو عملی رنگ دینے سے انسان کبھی سست نہیں ہوتا اور ہر وقت ترقی کے خیال سے مصروف عمل رہتا ہے۔ پس قومی خدمت کے لئے اپنے عزیزوں اور بزرگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور قومی وقار اور اعزاز کو ہمسایہ قوموں سے آگے بڑھانے کے لئے علمی، اقتصادی و اخلاقی امور میں ان سے آگے بڑھ جاؤ۔ اور ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ تم کو فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ پر عمل کرنا ہے۔ ایک واقعہ حضرت مولانا اسماعیل شہید کی زندگی کا ایسا سبق آموز ہے کہ ان میں مقابلہ کی خواہش کو عملی طور پر ترقی دینے کے لئے کس قدر جوش تھا۔ ان کا سکھوں سے مقابلہ تھا۔ کسی نے ان کو کہہ دیا کہ ایک سکھ بڑا تیراک ہے۔ آپ نے فوراً دریا میں اتر کر تیرنا شروع کر دیا۔ اور اس میں کافی دسترس حاصل کر لی۔ یہ روح تھی جو ہمارے اسلاف میں موجود تھی۔ اب یہ قوت ہم میں سے جاتی رہی۔ دوسرے

ہیں کہ وہ ہر مقابلہ میں بڑھنا چاہتے ہیں اور ہم صرف باتوں سے آگے نہیں بڑھتے۔ مَیں کہتا ہوں کہ تم اپنی اولاد کے اندر یہ آگ لگا دو کہ وہ کسی کو آگے نہ بڑھنے دیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں سب سے آگے نکل جاویں۔ علم میں، اخلاق میں، اقتصادی حالت میں، سیاست میں، مذہب میں، غرض کسی چیز میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ مگر یاد رکھو کہ یہ مقابلہ امن اور اخلاق کا مقابلہ ہے۔ دوسروں سے آگے بڑھنے میں کبھی تمہاری اخلاقی کمزوری ظاہر نہ ہو بلکہ اخلاقی فتح کے ساتھ امن کو قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھو۔

(۸) صحت کی درستی

صحت کی درستی نہایت ہی اہم فرائض میں سے ہے۔ اپنی صحت کے ساتھ اپنی اولاد کی صحت کی طرف خاص طور پر توجہ کرو۔ اس کے لئے بہت بڑی ضرورت ہے کہ غذا صحیح وقت پر دی جائے۔ نہ تو اتنی کم دی جائے کہ پیٹ نہ بھرے اور نہ اس قدر کہ سوءِ ہضمی ہو۔ مَیں اس وقت ان امور پر کوئی تفصیلی تقریر نہیں کر سکتا بلکہ میں صرف اصول بتا رہا ہوں۔

غذا کے بعد دوسرا امر ورزش ہے۔ اس کا لحاظ رکھا جاوے تا کہ ان کا نشوونما صحیح طور پر ہو۔ اور پھر سب سے زیادہ خیالات اور افکار کی درستی ہے۔ مسلمان بچوں کے اخلاق جلد بگڑ جاتے ہیں۔ اس پر غذا کا بھی اثر ہوتا ہے۔ بچپن سے بوٹیاں کھلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے شہوات ترقی کرتی ہیں ذہن ترقی نہیں کرتا۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ان کی غذا میں اس امر کا لحاظ رکھا جاوے کہ ان کو دودھ اور دودھ بھی گائے کا زیادہ دیا جاوے۔ اور نباتات کا جزو غالب ہو اس سے وسعت خیالات اور باریک بینی پیدا ہوتی ہے۔ گوشت بھی ضروری ہے مگر کم مقدار میں، زیادہ مقدار دودھ اور نباتات کی ہو۔ اس سے افکار کی درستی ہوگی۔

(۹) صفائی

نویں ضرورت عام صفائی کی ہے۔ ظاہری صفائی کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ لوگوں نے یہ غلط سمجھا ہے کہ جس قدر گندے رہیں وہ نیکی ہے۔ یہ غلط ہے اسلام صفائی کی تاکید کرتا ہے۔ نیکی اور تقویٰ کو صفائی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اب یا تو لوگوں نے صفائی کے مفہوم کو بالکل بدل دیا ہے اور سادگی سے گذر کر تکلّف اور نمائش کو یہ جگہ دے دی ہے۔ اور یا بعض نے بالکل گندے رہنے کا نام نیکی اور بزرگی رکھ دیا ہے۔ اسلام افراط اور تفریط دونوں سے روکتا ہے۔

پرنس آف ویلز جب ہندوستان آئے تو لاہور کے مقام پر مَیں بھی مدعو تھا۔ گو میری عادت

ایسے جلسوں میں جانے کی نہیں لیکن مَیں نے دعوت کو ردّ کرنا پسند نہیں کیا۔ ایک شخص نے میرے کوٹ پر اعتراض کر دیا کہ ایسے اچھے کپڑے کا کوٹ ایک مذہبی جماعت کا امام ہو کر کیوں پہن رکھا ہے حالانکہ اس سے اسلام نے منع نہ کیا تھا۔

غرض صفائی کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اس سے باطن پر اثر پڑتا ہے اور کام کرنے کے لئے اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ اپنی اولاد کو صفائی پسند بناؤ مگر ان میں زیب و زینت کی زنانہ روح پیدا نہ ہونے دو۔

(۱۰) پابندی وقت

دسویں چیز وقت کی پابندی ہے۔ بچوں کے ہر کام کا ایک نقشہ اور وقت درج ہو تا کہ وہ مشین کی طرح کام کرنے لگیں۔ اور اپنے اندر بھی یہی بات پیدا کرو۔ مَیں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اولاد کی تربیت ناراضگی سے نہیں بلکہ نگرانی سے ہوتی ہے۔

(۱۱) کوئی بیکار نہ رہے

گیارہویں چیز جس کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی بیکار اور نکمّا نہ ہو۔ قوم کا ایک فرد بھی اگر نکما ہو۔ تو یہ مصیبت ہے۔ اور جہاں قریباً سب ہی بیکار ہوں اس مصیبت کا اندازہ کون کرے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اگری (ایک قسم کی گھاس) کی جھولی لئے جا رہا ہے۔ آپ نے اسے چھین لیا اور کہا جاؤ جا کر کام کرو۔ مگر آج جو حالت ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔

قوموں میں تمدنی اور اقتصادی جنگ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اگر نکمے ہوں تو وہ اس مقابلہ میں کیا کریں گے۔ اس ملک میں ہندو، سکھ اور اچھوت ۲۴ کروڑ ہیں۔ مسلمان ۷ کروڑ۔ اگر نکمے ہوں تو اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ چیزیں ہیں جو اخلاق کی مضبوطی کے لئے ضروری ہیں۔ جب تک کسی شخص اور قوم میں یہ نہ پائی جاویں اخلاقی مضبوطی اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اب پھر میں انفرادی ذمہ داریوں کے سلسلہ کی طرف آتا ہوں۔

چوتھی انفرادی ذمہ داری

چوتھی انفرادی ذمہ داری یہ ہے کہ ہر کام کے لئے آدمی ہو۔ یہی نہیں کہ ہر شخص کام کرے بلکہ ہر کام کے اہل موجود ہوں۔ نیوی گیشن کے لئے ملّاح بھی ہوں کمانڈر بھی ہوں ڈاکٹر بھی ہوں انجینئر بھی ہوں۔ کوئی شعبہ انسانی زندگی اور اس کی ضروریات کا نہ ہو جس کے لئے قابل اور ماہر آدمی ہمارے پاس

نہ ہوں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان اس ضرورت کا احساس کر کے زندگی کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک کو لے کر ماہر بنے۔

پانچویں ذمہ داری

پانچویں ذمہ داری جس کی طرف کم توجہ ہے وہ یہ ہے کہ خوف اور رجا کی حالت افراد میں پیدا کی جاوے۔ ایمان کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ہے۔ جبکہ ایمان کے لئے ضروری ہے تو قومیت بغیر اس کے کس طرح ہو سکتی ہے۔ مَیں اس کی کسی قدر تشریح کرتا ہوں۔ خوف کے معنے ہیں ڈر اور رجا کے معنے امید۔ وہ شخص جو کہتا ہے کہ ڈرنا نہیں چاہئے، وہ قوم کا دشمن ہے۔ مَیں جب یہ کہتا ہوں تو مَیں قوم کے ایک فرد کو بھی بزدل نہیں بنانا چاہتا۔ اور نہ میرا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی تھپڑ مارے تو یہ ڈر کر بھاگ جاوے ہرگز نہیں۔ یہ شجاعت، ہمت اور حفاظت خود اختیاری کے خلاف ہے۔ مَیں جب کہتا ہوں کہ قوم کے افراد میں ڈر ضروری ہے تو اس سے میری مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے رہیں کہ اگر ہم نے سستی کی اور ذرا بھی غفلت کی اور مقابلہ میں آگے بڑھنے کے جوش اور شوق کو چھوڑ دیا تو بہ حیثیت قوم ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ جو عادات بد اور زہر ہیں وہ ہم میں پیدا نہ ہو جاویں، اس سے ڈرنا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم چوکس اور محتاط رہیں گے۔

کل کی مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ پنجابی کیسے بزدل ہیں؟ یہ درست نہیں۔ پنجابی اگر ان خطرات سے ڈرتے ہیں جو قومی اخلاق اور ذمہ داریوں سے بے پروائی برتنے سے پیدا ہوتے ہیں تو وہ عقل مند ہیں۔ اعتراض کرنے والے صاحب کو معلوم نہیں کہ حذر کی تعلیم تو خدا نے بھی دی ہے۔ پس یہ ڈر نہیں کہ ہتھیار ڈال دو، یہ تو بزدلی ہے۔ یہ ڈر چوکس رہنے کا مترادف ہے کہ دوسرے ہم سے آگے نہ بڑھ جائیں اور ہماری غفلت میں ہم پر حملہ نہ کر دیں۔

اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ اُمید خالی کیا کرے گی وہ بھی غلطی پر ہیں۔ اُمید تو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ قرآن مجید نے صاف بتا دیا ہے۔ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ [۵] امید سے امنگ پیدا ہوتی اور حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ اسلام کے ہوتے ہوئے نڈری اور ناامیدی دونوں ناممکن ہیں مگر مَیں افسوس سے کہتا ہوں کہ اس وقت قوم کی حالت یہ ہے کہ ایک خالی ڈرتا ہے اور دوسرا صرف امید رکھتا ہے۔ گویا آدھوں کی آنکھ نہیں اور دوسرے آدھوں کا ناک نہیں۔ وہ مجلس میں نہیں کہہ سکتے اور دوسرے کام نہیں کر سکتے۔ پس قوم کے افراد کے اندر اور مجموعی طور پر قوم میں خوف اور رجا پیدا کرو۔

چھٹی ذمہ داری

چھٹی انفرادی ذمہ داری نفس پر قابو ہے۔ اس وقت افراد کی یہ حالت ہے کہ صبر اور حوصلہ سے ایک بات سن نہیں سکتے اور ضبط اور برداشت کی قوت مفقود ہو رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ گندی گالیوں پر اتر آتے ہیں اور اپنے اخلاق سے نیچے گر جاتے ہیں۔ اور وہ جوش جو غیرت کے نتیجہ میں پیدا ہونا چاہئے اس کا غلط استعمال کر کے اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔ پس چاہئے تو یہ کہ گالیاں دینے کی بجائے کام کر کے دکھاویں اور گالیوں سے پرہیز کریں۔ گالی ایک ایسی چیز ہے جیسے انجن سے سٹیم نکال دیں۔ جوش اور غیرت کا صحیح استعمال جاتا رہتا ہے اور قومی اخلاق مر جاتے ہیں۔

یہ چند انفرادی ذمہ داریاں ہیں اگر مسلمان ان کو سمجھ لیں اور اپنی عملی زندگی کا ضابطہ اور دستور العمل ان کو بنالیں تو ایسے افراد پر مشتمل جو قوم یا جماعت بنے گی اس کی مضبوطی، قوت اور ترقی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟ اب میں قومی فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

پہلی قومی ذمہ داری، رواداری

پہلی قومی ذمہ داری رواداری ہے۔ اختلاف رائے کو سن کر جوش میں آنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اختلاف رائے کو سن لینے کی قوت پیدا کریں۔ اس سے عقل تیز ہوتی ہے اور سوچنے اور سمجھنے کا مادہ بڑھتا ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ اختلاف نہ ہو جب کہ مختلف خیال مختلف مذاق اور مختلف استعدادوں کے لوگ موجود ہیں تو اختلاف رائے کا ہونا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں ہم رواداری نہیں برت سکتے تو اس کے استعمال کا محل ہی کونسا ہے؟ رواداری اختلاف رائے ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔

اب اگر میں سلسلہ کی بات کرنے لگوں تو جھٹ بعض آدمی کہنے لگیں گے کہ دیکھو! یہ اب اپنے سلسلہ کے متعلق بیان کرنے لگا ہے۔ یہ عدم رواداری کی مثال ہو گی۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس سے ڈرتے کیوں ہو؟ پس کبھی اختلاف رائے سے نہ تو گھبراؤ اور نہ بے جا جوش میں آکر عدم رواداری کا ثبوت دو۔ ہم کبھی اختلاف رائے سے گھبراتے نہیں۔ میں تو قادیان میں اپنی مسجد میں آریوں کو بُلا کر بھی اجازت دے دیتا ہوں کہ جو تم کہنا چاہتے ہو کہو اور اعتراض کرو ہم اس سے کبھی ڈرتے نہیں اور نہ جوش میں آتے ہیں اس لئے کہ ہمارے پاس ان کے اعتراضوں کے جوابات ہیں۔

حریت ضمیر

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہیں اور انہیں کرنی چاہئے تو حریت ضمیر کو کچلنا نہیں چاہئے۔ اگر ایسے مجمعوں میں جہاں مختلف خیال کے لوگ ہوں ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف تقریر کر رہا ہے، امن کو قائم رکھنے کے لئے وہ فریق جس کے خلاف دوسرا بول رہا ہے کھڑا ہو جائے اور اپنے ہم خیال لوگوں کو اپنے نفس پر قابو پانے اور رواداری دکھانے کی تعلیم دے اور امن کو قائم رکھے تو اعتراض کرنے والے فریق کو خود شرم آئے گی کہ وہ دوسروں کے جذبات کو مجروح نہ کرے۔ اسی طرح اگر ہندوؤں کے خلاف کوئی مسلمان تقریر کر رہا ہے تو ہندو امن کو قائم رکھے اور مسلمانوں کے خلاف کوئی ہندو بول رہا ہے تو مسلمان اپنی رواداری کا ثبوت دیں۔ رواداری کا نہ ہونا بزدلی پر دلالت کرتا ہے اور اپنے نفس پر قابو نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ معتدل پسندی سے جواب دو۔ بے جا جوش اور غصہ کا کوئی نتیجہ نہیں۔ مگر اب حالت بالکل بدل گئی ہے۔ لوگ اختلاف رائے کا سننا تو درکنار اس سے ملنا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ لاہور کے گزشتہ فساد کے ایام میں مَیں نے اپنے آدمیوں کو بھیجا کہ وہ قیام امن میں حصہ لیں اور مظلوم اور زخمیوں کی امداد کریں۔ عام طور پر ان مسلمانوں نے بھی جو ہماری جماعت میں نہیں اس کام کو پسند کیا۔ لیکن ایک شخص سے وہ مزنگ ملنے کے لئے گئے اسے اس قدر وحشت ہوئی کہ وہ چاہتا تھا کہ میرے آدمی جلد اس کے پاس سے چلے جاویں۔ وہ ہمارے کام کو پسند کرتا تھا مگر اختلاف رائے کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مگر میری حالت بالکل جُدا ہے۔ اسی لاہور کا واقعہ ہے کہ ایک ہندو ڈاکٹر میرے پاس آئے اور کہا کہ گاندھی جی نے کہا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ قادیان جا کر مجھے نان کو آپریشن (NON-COOPRATION) کا وعظ کریں۔ میں نے کہا بہت خوب ہے وہ شوق سے آئیں اور مجھے سمجھائیں۔ قومی اتحاد کے لئے پہلی چیز رواداری ہے۔ مسلمانوں میں مختلف فرقے اور عقیدے کے لوگ ہیں جب تک وہ آپس میں رواداری کا برتاؤ نہ کریں تو اتحاد ناممکن ہے۔ اب اگر ایک احمدی سمجھتا ہے کہ جونہی میں نے مرزا صاحب کا نام لیا تو گالیوں کی بوچھاڑ اور پتھر پڑیں گے۔ وہابی سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے عقیدہ کا اظہار کیا اور مسجد سے باہر نکالا گیا۔ اسی طرح شیعہ سنی ایک دوسرے سے خائف اور ترساں رہیں تو رواداری کیونکر پیدا ہو گی؟ پس قومی ترقی کے لئے رواداری کا مادہ پیدا کرو اور خلاف سننے سے مت گھبراؤ کوئی ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔

دوسرا قومی فرض اتحاد

دوسرا قومی فرض اتحاد ہے۔ قومی ترقی چاہتے ہو تو مشترک امور میں ایک ہو جاؤ۔ مثلاً ملازمت کا سوال ہے کہ مسلمانوں کو حکومت کے مختلف محکموں میں ملازمتوں کے لئے ان کا جائز حق دیا جاوے۔ اس مطالبہ میں احمدیت اور غیر احمدیت کا کیا سوال ہے؟ غور کرو مسیح کی وفات یا زندگی کو ملازمتوں کے مسئلہ سے کیا تعلق؟ اگر میں احمدی ہو کر گورنمنٹ سے اپنا حق مانگتا ہوں تو کیا اس سے عیسیٰ کی وفات ثابت ہو جائے گی؟ یا غیر احمدی اپنا حق مانگتا ہے تو اس سے حیات ثابت ہو سکے گی؟۔ یہ دنیا کا معاملہ ہے اس میں سب شریک ہیں اور سب کا یکساں فائدہ ہے۔ پس ہم کو ایسے معاملات میں بلا خیال فرقہ کے ایک ہو جانا چاہئے تاکہ ہمارے مطالبہ میں قوت اور اثر پیدا ہو۔ سنّی کو سب سے زیادہ، پھر شیعہ کو، پھر ہم کو، پھر اہل حدیث کو، پس جب تک باوجود اختلاف کے مل کر نہ رہیں گے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ اختلاف مٹا نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ وجود کے آنے پر بھی اختلاف رہا اس لئے کہ وہ طبعی چیز ہے۔ صحابہ میں بعض مسائل میں اختلاف ہوتا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے عظیم الشان صحابہ میں بھی اختلاف ہوا مگر وہ فوراً صاف دل ہو گئے اس لئے اختلاف سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ اختلاف علماء، صلحاء اور اولیاء میں ہوتے رہے اس کی پروا نہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ [6] فرما دیا تو اس سے ڈرنا اور گھبرانا کیوں؟ اختلاف کو رحمت بناؤ نہ کہ لعنت۔ اب میں بتاتا ہوں کہ یہ اختلاف رحمت کیوں ہے؟ دیکھو اگر سائنس دانوں میں اختلاف نہ ہوتا تو یہ ایجادات جو آئے دن ہو رہی ہیں اور جن سے ملک اور قوم کو نفع پہنچتا ہے کیونکر ہوتیں۔ اسی اصول پر اگر امت میں رہ کر اختلاف کریں تو رحمت کا موجب ہو گا، اس نکتہ کو سمجھ لو۔ اگر تم باوجود اختلاف کے اتحاد کرو گے تو کیوں رحمت نہ ہو گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ایک دوسرے کو کافر کہنے کا سوال ہے تو اتحاد کیسے ہو؟ میں کہتا ہوں یہ اعتراض غلط ہے۔ ایک شیعہ اگر منار پر چڑھ کر دس ہزار مرتبہ کافر کہے یا کوئی اور دوسرے کو کافر کہے تو اس سے اتحاد پر اثر نہیں پڑنا چاہئے۔ جب میں ایک ہندو سے مل کر گورنمنٹ سے متحدہ قومیت کے نام سے حقوق کا مطالبہ کر سکتا ہوں تو کس قدر شرم کی بات ہو گی کہ ہم مختلف فرقوں کے مسلمان اتحاد اسلامی کے رنگ میں اسلامی حقوق کا مطالبہ نہ کر سکیں؟

کافر کو لوگ شاید گالی سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی بعض کوتاہیاں اس میں

ہیں۔ ہندوؤں کو بھی اس لفظ سے دھوکا لگا ہے اور اسی لئے انہوں نے اپنے نئے مطالبات میں کافرنہ کہنے کا مطالبہ بھی درج کر دیا ہے۔ مَیں نے مسلمانوں کو بارہا اتحاد اسلامی کی تحریک کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ اس قسم کے جھگڑوں میں اغراض مشترکہ میں اتحاد کے وقت نہ پڑیں۔ ہر شخص جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے ہم اس سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی اتحاد کرلیں۔

مَیں نے مسلمانوں کی جو سیاسی تعریف کی ہے اسے تمام دوسرے لوگوں نے بھی صحیح سمجھا ہے۔ پھر مسلمانوں پر تعجب ہوگا اگر وہ اس حقیقت پر غور نہ کریں۔

میری بات کو اچھی طرح سمجھ لو میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو فرقہ اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے اور قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار نہیں دیتا اس سے اتحاد کرلو۔ قومی برکات اور انعامِ قومی اتحاد کی روح سے وابستہ ہیں۔

تیسرا فرض نظام

اب تیسرا فرض یا قومی ذمہ داری نظام ہے۔ نظام کے متعلق ضروری ہے کہ ایک بات خصوصیت سے یاد رکھیں اور وہ یہ ہے کہ اس وقت تک نظام کے لئے سب کوششیں بیکار ہو رہی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چند آدمیوں نے (جو اپنے تموّل یا اپنی علمی وجاہت یا کسی اور ذریعہ سے سمجھتے تھے کہ وہ ممتاز ہیں) ملکر ایک کمیٹی بنالی۔ وہ خلافت کمیٹی ہو یا لیگ یا کوئی اَور۔ اسی ترکیب کا نام انہوں نے نظام قرار دے لیا مگر عملی تجربہ اور واقعات نے بتادیا کہ یہ اصل نظام نہ تھا اور یہی سچ تھا کیونکہ نظام کا یہ مطلب نہیں۔ اس کے تو معنے ہی یہ ہیں کہ ہر مسلم اس سِلک میں ہو اور یہ ناممکن ہے جب تک کوئی نظام نمائندگی کے اصول پر نہ ہو کوئی نظام نمائندگی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جب تک سات کروڑ مسلمانوں کے نمائندے نہ ہوں کوئی تحریک نظام کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اب تک لوگوں نے جو مختلف کمیٹیاں بنا کر نظام قائم کرنا چاہا یہ اوپر سے نیچے لانے کا طریق ہے اور یہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اصل طریق نیچے سے اوپر لے جانے کا ہے اور وہ نمائندگی کے اصول پر ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے قبیلہ کا ایک سردار منتخب کرکے لاؤ۔ آپ نے اس میں تعلیم دی تھی کہ اصول نمائندگی پر عمل ہونا چاہیئے۔ جب تک اس روح کو پیدا نہ کروگے کامیابی ممکن نہیں۔ اس وقت تک جیسا کہ میں نے ابھی کہا چند عام دولت مند سیاسی لوگ مل کر ایک انجمن بنالیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نظام ہے۔ ہم ان کو لیڈر تو کہہ سکتے ہیں نمائندے نہیں۔ لیڈر کے معنے ہیں آگے چلنے والے یا پیچھے چلانے

والے۔ ہمارے سارے نظام کا نقص یہ ہے کہ نمائندگی کے ذریعہ کام نہیں کیا گیا اور یہی وجہ اس کی ناکامی کی ہے۔ مثلاً فرض کرو مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی عالم تھے، ان کا بڑا رتبہ سمجھا جاتا تھا مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے نمائندے تھے۔ وہ ایک دینی لیڈر کہلا سکتے ہیں لیکن ملک ان کی ہر بات کو نہیں مان سکتا تھا۔

پس نمائندگی کے طریق کو اختیار کیا جاوے تا اس اصول پر جو نظام ہو گا وہ مضبوط اور صحیح ہو گا۔ ہم کو لیڈروں کی ضرورت نہیں بلکہ پیروؤں کی ضرورت ہے۔ لیڈر سینکڑوں ہیں اور سینکڑوں مل سکتے ہیں مگر پیرو نہیں اور یہ نہیں ہو سکتے جب تک ہمارے نمائندے مجلس میں نہ بولتے ہوں۔ پس میرے نزدیک موجودہ طریق کو اسلامی حریت قبول نہیں کر سکتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف فرماتے ہیں کہ تُو کسی بندے کا غلام نہیں۔

نظام کیونکر قائم ہو؟

سوال ہوتا ہے کہ اگر موجودہ طریق نظام درست نہیں تو پھر کس طرح ہم اپنے قومی نظام کو قائم کر سکتے ہیں؟ یہ سوال نہایت اہم اور ضروری ہے۔ میرے نزدیک ہر قصبہ، شہر اور گاؤں میں ایسی مشترکہ سوسائٹیاں بنائی جاویں جن میں اصول نمائندگی کی تربیت ہو۔ اگر اس قسم کی سوسائٹیاں اور کمیٹیاں بن جاویں پھر کسی کو طاقت نہ ہوگی کہ کسی کو ذبح کر سکے یا کسی کے حقوق کو پامال کر سکے۔ اس لئے کہ وہ سات کروڑ عوام کی آواز ہوگی کسی لیڈر یا فرد واحد کی آواز نہ ہوگی۔

نبیوں کی آواز

نبیوں کا معاملہ اس سے بالکل جُدا ہے۔ اسے خدا تعالیٰ بھیجتا ہے اسکی تائیدات اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان پیدا کرنے کے لئے آتا ہے اس کی آواز اپنی نہیں بلکہ خدا کی آواز ہوتی ہے۔ ملائکہ کی ایک جماعت اس کی تائید کے لئے ہوتی ہے۔ اس کی کامیابی کے اسباب اور ہوتے ہیں۔ لیکن قومی ترقی کے لئے جو اصول اور قانون دیتے ہیں وہ اس رنگ میں ہوتے ہیں جو نمائندگی کے اصول پر ہوں۔

گاندھی جی کو کس قدر عزت ملی۔ لوگوں نے ان کے جلوس نکالے اور روپیہ بھی دیا۔ مگر کیا آخر کار وہ کامیاب ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ گاندھی جی نے اپنے آپ کو کھڑا کیا تھا کہ ۶ ماہ میں سوراج لے لوں گا۔ لوگوں نے کھڑا نہ کیا تھا اور نتیجہ جو ہوا وہ ظاہر ہے۔ پس لیڈروں اور ان کی مجلسوں کی ملک کو اس قدر ضرورت نہیں جس قدر ملک میں عملی پیروان کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ایک مشترکہ انجمن کے وجود سے پوری ہوگی۔

جمعیۃ الاخوان کی تاسیس

اس انجمن کا ممبر ہر بالغ مسلمان ہو۔ اس مشترکہ انجمن کا کوئی مقررہ پروگرام نہ ہو وہ اس لئے کھڑی نہ ہو کہ خلافت یا مسلم لیگ کا کام کرنا ہے بلکہ اس کا نصب العین صرف اور صرف یہ ہو کہ اپنے شہر یا قصبہ یا گاؤں کے مسلمانوں کی ہر بہتری کا کام کرنا ہے۔ اگر ایسی انجمنیں قائم ہو جائیں اور وہ اخلاص اور نیک دلی کے ساتھ مل کر کام کریں تو لیڈر خود ان کے پاس پہنچیں گے۔ اور مقامی کاموں کے لئے لیڈروں کی چنداں ضرورت نہ ہوگی۔ عام مشترکہ امور کے سرانجام دینے میں لیڈر کچھ کر نہ سکیں گے۔ پس میری یہ تجویز ہے کہ ہندوستان کے ہر شہر، قصبہ اور گاؤں میں اس قسم کی کمیٹیاں قائم کی جاویں۔

شملہ والوں سے خطاب

مَیں سمجھتا ہوں کہ شملہ والے یہاں زیادہ ہیں سب سے پہلے وہ ایک کمیٹی بنا دیں اور اس کا پہلا اصل یہ ہو کہ کسی ممبر کے مذہبی عقائد میں دست اندازی نہ کریں۔ مذہب کا ایک شوشہ بھی کوئی قربان نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ باہمی اختلافی امور میں جھگڑا شروع کر دیں گے تو اصل کام جو امور مشترکہ میں مسلمانوں کے فوائد عامہ کا ہے رہ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہوگا کہ مذہبی امور میں قطعاً مداخلت نہ ہو اور مسلمانوں کی علمی، اقتصادی اور سیاسی ضروریات کے متعلق متحدہ کوشش کریں اگر ایسی کمیٹی یہاں بن جاوے اور کام شروع ہو جاوے تو دوسرے لوگ بھی دوسرے مقامات پر ایسا ہی کریں گے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ کمیٹی کسی لیڈر اور کسی کمیٹی کے ماتحت نہ ہوگی۔ جب یہ پروگرام جاری ہو جاوے اور ملک میں اس قسم کی کمیٹیوں کا عملی کام شروع ہو جاوے تو پھر لیڈر بھی لیڈری کا کام کریں گے کیونکہ وہ نمائندے ہوں گے۔ انکی رائے کو ٹھکرا دینا سات کروڑ کی رائے کو ٹھکرانا ہوگا اور یہ حکومت بھی نہیں کر سکے گی۔

جمعیۃ الاخوان کے عام مقاصد

پس تمام قسم کے خیالات کے مسلمانوں کو شریک کر کے کمیٹی کی بنیاد رکھ دیں اور جو مشترک امور ہیں ان کی اصلاح کے لئے تیار ہو جاویں۔ اس مجلس کے ممبروں پر چندہ لازمی نہ ہو جو کوئی اپنی خوشی سے جس قدر چاہے دے اور اس کا کام یہ ہو:۔

(۱) کوئی مسلمان آوارہ نہ رہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کوئی نہ کوئی کام تجویز کیا جاوے۔

(۲) لوگ اپنے اپنے حقوق ادا کریں۔ اس سے معاملات میں صلاحیت اور درستی پیدا ہوگی۔

(۳) اپنی اپنی جگہ ایک پنچایت قائم کریں اور تمام تنازعات باہمی کو اسی پنچایت میں عدل و انصاف

اور پوری دیانت اور بِلا طرفداری کے طے کریں۔ عدالتوں میں نہ لے جاویں۔ مَیں نے اپنی جماعت میں یہی انتظام کیا ہوا ہے۔ ہماری جماعت کا روپیہ محفوظ رہتا ہے اور ہزاروں فیصلے ہوتے ہیں۔ ایک قاضی کے فیصلہ کا دو یا تین قاضیوں کے مشترکہ اجلاس میں اپیل ہو جاتا ہے۔ اور میرے پاس بھی اپیل آتے ہیں۔ اس نظام نے میری جماعت کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ ہم عدالتوں میں صرف اس وقت جاتے ہیں جب کوئی فوجداری معاملہ ہو یا کوئی ہم کو عدالت میں لے جائے۔ غرض اس پنچایت سسٹم کو جاری کرو اور مسلمانوں کے باہمی تفرقے اور تنازعات جو معاملات کے متعلق ہوں دور کر دو۔

(۴) مسلمان آپس میں لڑیں نہیں۔ اگر دو لڑتے ہوں تو فوراً صلح کرادو۔ اگر اس صلح میں دیر کی گئی تو اس سے کینہ اور انتقام کی سپرٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

(۵) مقامی ضروریات کی نگرانی، عام اسلامی تحریکات پر غور کر کے جسے مفید سمجھو اس میں شریک ہو جاؤ۔ اس ذریعہ سے آزادیٔ رائے پیدا ہو گی۔

(۶) دوسرے مذاہب کے مسائل کے متعلق سمجھوتہ کر لیں اور اختلافات کو آپس میں طے کر لیں۔

غرض اس قسم کی انجمن کا قائم کرنا نہایت مفید ہو گا اور ایک نمائندہ جماعت پیدا ہو سکے گی۔ ایسی انجمنوں کی ضرورت اسلامی نقطۂ خیال سے ایک اور بھی ہے۔ موجودہ حالات کے لحاظ سے مثلاً ورتمان کے لئے ایجی ٹیشن کرنا پڑا۔ گورنمنٹ نے مجھ سے چاہا کہ میں ایجی ٹیشن نہ کروں۔ لیکن مَیں نے گورنمنٹ کو صاف طور پر کہہ دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ گورنمنٹ کی خاطر قوم کو قربان کر دوں۔ اس وقت قوم کی حفاظت کا سوال ہے۔ اگر ہر جگہ انجمنیں ہوتیں تو مجھے ایجی ٹیشن کی ضرورت نہ ہوتی۔ ایسی انجمنوں کے ذریعہ سے قومی کام بآسانی ہو سکتے ہیں۔

انجمنوں کا نام ایک ہی ہو

میرے خیال میں ایسی تمام انجمنوں کا ایک ہی نام ہونا چاہئے۔ اس وقت ملک میں کیا ایک ایک شہر میں متعدد ناموں کی انجمنیں قائم ہیں کوئی مفید الاسلام کوئی معین الاسلام وغیرہ۔ لیکن اگر تمام انجمنوں کا ایک ہی نام ہو اور ایک ہی ان کا کام ہو تو یہ امر بھی اتحاد کے لئے مفید ہو گا۔ ہر انجمن اپنے دائرہ عمل میں آزاد ہو یہاں تک کہ کسی سنٹرل کمیٹی کا بھی اثر نہ ہو جب تک سب مل کر اس کا فیصلہ نہ کر لیں۔

ایک ہی نام کا ہونا سائیکالوجیکلی (PSYCHOLOGICALY) (علم النفس کے طور

پر) بھی ضروری ہے۔ مجھے ایک نام سوجھا ہے اور وہ جمعیۃ الاخوان ہے۔ ہر جگہ کی انجمن اسی نام کی ہو اور وہ آزاد ہو لیکن بایں وہ سب کی سب مل کر ترقی کر رہی ہوں گی۔ مَیں اس انجمن کے متعلق عام قواعد بھی تیار کر رہا ہوں تا کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

چوتھا فرض قومی آزادی

چوتھا فرض قومی آزادی ہے۔ اگر کوئی قوم دوسروں کی دست نگر ہو تو وہ اپنے قومی حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اور جب قومی حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی تو پھر ہمسایوں سے لڑنے لگتے ہیں۔ اس ملک میں انگریزی تعلیم کا جب اجراء ہوا تو علماء نے انگریزی پڑھنے کے متعلق کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تعلیم میں پیچھے رہ گئے اور ہندوؤں نے انگریزی پڑھ کر حکومت میں رسوخ بڑھا لیا۔ اور اب ہم اس کے لئے جھگڑتے ہیں۔ لیکن اگر قومی آزادی ہو تو دوسروں سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے حقوق بآسانی حاصل کر لیں گے۔ لیکن جب ہم دوسروں سے پیچھے ہوں اور قومی آزادی ہم میں نہ ہو اور پھر دوسروں سے لڑیں تو یہ بے وقوفی ہو گی۔ وہ تھپڑ جو ہم دوسروں کے منہ پر مارنا چاہتے ہیں ہم کو اپنے منہ پر مارنا چاہئے۔ ایسی لڑائی سپورٹس مین سپرٹ کے خلاف ہے۔ قومی آزادی کے لئے ضروری ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں دوسروں سے آزاد ہوں اس وقت ہم کو اقتصادی، علمی، صنعتی اور حرفتی آزادی کی ضرورت ہے اور گورنمنٹ کی ملازمتوں میں بھی ہم کو ہمارا حق اور حصہ ملنا چاہئے۔

ملازمتوں کے متعلق ایک اعتراض کا جواب

بعض کہہ دیتے ہیں کہ ملازمتوں کے لئے کیوں لڑتے ہو؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ انگریز جو دانا اور حکمران قوم ہے وہ ملازمتوں کے لئے کیوں لڑتی ہے؟ اور پھر اگر ملازمت ایسی ہی بُری ہے تو ہندو صاحبان کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ اصل بات یہ ہے کہ گورنمنٹ کی ملازمت کا اثر قومی آزادی پر پڑتا ہے۔ اس ملازمت کے ذریعہ قوم کی اقتصادی اور تعلیمی حالت پر عجیب عجیب اثر پڑتے ہیں اور ایک ہندو اگر نہر میں انجینئر ہے تو وہ اپنی قوم کو ٹھیکہ داری کے سلسلہ میں کروڑوں روپیہ کا فائدہ پہنچا سکتا ہے، اب اگر یہی حصہ ملازمت ہمارا ہو تو ہم اپنے بھائیوں کو نفع پہنچا سکتے تھے۔ غرض ملازمت کا اثر بالواسطہ اور کبھی بِلاواسطہ دوسری حالتوں پر پڑتا ہے۔

قرضہ سے نجات

اب مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اقتصادی حالت کی درستی کے لئے قرضہ سے نجات ضروری ہے۔ جب تک یہ نہ ہو تو اقتصادی ترقی نہیں ہو سکتی۔ میں اس قرضہ کے معاملہ میں کسی ہندو مسلم کی قید نہیں لگاتا کہ ہندو سے نہ لو بلکہ مسلمان سے۔ نہیں میرا یہ ہرگز مطلب نہیں۔ اس معاملہ میں میرا اصول یہ ہے کہ کسی بنئے سے قرض نہ لو۔ وہ بنیا ہندو ہو مسلمان ہو یا عیسائی ہو یعنی فردِ واحد سے نہ لو بلکہ اگر ایسی ہی ضرورت آپڑے اور قرض لینے کے بغیر چارہ نہ ہو تو بنک سے لو۔ کیونکہ وہ حساب رکھنے پر مجبور ہے۔ بنیا مجبور نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہمارے گاؤں کے ایک مزارعہ نے ایک بنئے سے تین روپیہ قرض لئے وہ تین سو دے چکا ہے اور ابھی اصل رقم باقی ہے۔ بنیا کیا کرتا ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ بقایا رکھتا جاتا ہے اور وہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔

میں تو سود کو جائز نہیں سمجھتا لیکن اضطراری اور مجبوری کی حالت میں اگر کسی کو سودی قرضہ لینا پڑتا ہے تو میں کہوں گا کہ ان کے لئے کوآپریٹو سوسائٹیز قائم کریں اور ان سے لین دین کریں۔

مَیں ایک بار پھر اس امر کی صراحت کر دینا چاہتا ہوں کہ جب میں کہتا ہوں کہ کسی بنئے سے سود نہ لو تو ہرگز کسی ایک یا دوسری قوم کا بنیا مراد نہیں میں تو شائیلاک کی غلامی سے آزادی کی تلقین کرتا ہوں۔ خواہ وہ ہندو ہو، مسلم ہو، سکھ ہو، انگریز ہو۔ مَیں مسلمان بنیوں کو بھی جانتا ہوں۔ فتنہ ارتداد میں ایک ملکانا گاؤں ایک مسلمان بنئے کے قبضہ میں تھا۔ ہرچند اسے کہا گیا کہ ان لوگوں سے رعایت کرو مگر وہ راضی نہ ہوا۔

شائیلاک کی غلامی سے نجات کا ایک ذریعہ کوآپریٹو سوسائٹیاں ہیں۔ سول میں ایک مضمون چھپا تھا کہ ایک شخص کو ساٹھ روپیہ کی بجائے تین سو دینا پڑا۔ پس میں مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ کسی فردِ واحد سے قرضہ نہ لو۔ دوسری نصیحت یہ کروں گا کہ کفایت شعاری سے کام لیں۔ اپنی آمدنی سے کچھ نہ کچھ بچا کر رکھیں۔ کون جانتا ہے کل کیا ہو گا کوئی بچہ بیمار ہو جائے گا یا کوئی اور ضرورت آپڑے گی۔ یہ کہنا کہ گزارہ نہیں ہو سکتا صحیح نہیں ہے۔ ایک شخص جس کو آج پندرہ روپیہ ملتے ہیں وہ اس میں گزارہ کرتا ہے۔ پھر اگر اس کی ترقی ہو جاوے تو کیوں وہ انہیں پندرہ میں گزارہ نہیں کرتا۔ کچھ نہ کچھ پس انداز کرنا چاہئے۔

اصلاحِ رسوم

مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سا روپیہ فضول رسوم میں ضائع ہوتا ہے۔ ان تمام رسومات کو ترک کردو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں خدا

تعالیٰ محل انعام میں فرماتا ہے کہ آپ کی بعثت ان رسوم کے توڑنے کے لئے ہے۔ وہ رحمۃ للعٰلمین ہو کر آئے ہیں۔ پھر جو چیز رحمت کا باعث تھی مسلمان اسے چھوڑ کر وہی پھانسی اپنے گلے میں کیوں ڈالتے ہیں۔

رسول کریم کی آمد کی غرض یہ ہے کہ ان تمام فضول اور بے جا رسوم سے جنہوں نے گردنوں میں طوق ڈال دیئے تھے آزاد کر دیں اور ان زنجیروں سے نجات دلائی۔ مگر ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے یہ کس قدر شرم کا مقام ہے۔ مسلمانوں کے بہت سے قرضوں اور فضول خرچیوں کی اصلاح اسی ایک امر سے ہو سکتی ہے۔

میرے اُستاد حضرت خلیفہ اول اپنے جود و سخا کی وجہ سے مشہور تھے اور لوگ آپ کے پاس اس غرض کے لئے آتے رہتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص دہلی سے آیا کہ میری لڑکی کی شادی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس قدر روپیہ تمہاری لڑکی کی شادی کے لئے دوں گا جس قدر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شادی پر خرچ کیا۔ اس نے کہا کہ میری تو ناک کٹ جائے گی۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو نہ کٹی اور تمہاری باوجود کٹ جانے کے کہ تم مانگنے کے لئے یہاں آئے ہو ایسی شادی کرتے ہوئے کٹتی ہے"۔

غرض فضول رسومات کو چھوڑ دو۔

تجارت

تیسری چیز ہر قسم کی تجارت ہے۔ اس کے لئے کوشش کرنی چاہئے جب تک تجارتی غلامی سے نجات نہ ہو قومی آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ تجارتی ترقی میں دوسروں کو ہم پر اعتراض کیوں ہو۔ ہم ان کی ترقی پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ مَیں ہندوؤں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں جو مسلمانوں میں تجارت اور دکانوں کے اجراء کی تحریک کچھ عرصہ سے کر رہا ہوں ہرگز یہ منافرت یا ان کو نقصان پہنچانے کے خیال سے نہیں، مَیں بائیکاٹ اور پکٹنگ کا سخت مخالف ہوں۔ ابھی چند روز ہوئے کہ پنجاب خلافت کمیٹی کے ایک لیڈر نے مجھ سے اس بارہ میں گفتگو کی میں نے صاف صاف کہا کہ پکٹنگ چھوڑ دو میں اس کا مخالف ہوں۔ مَیں ان سے زیادہ واقف نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے دل میں دردِ اسلام ہے۔ میری تجارت کی تحریک محض قوم کی اقتصادی اصلاح اور ترقی کے لئے ہے مَیں اس کو ضروری سمجھتا ہوں۔ ہاں میں پکٹنگ اور بائیکاٹ کو نہ جائز سمجھتا ہوں اور نہ کبھی اس کی تائید کی ہے، میں اسے فساد کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

چھوت چھات

ایک اور امر چھُوت چھات کا ہے۔ کسی سے چھُوت کرنا یہ فساد کا ذریعہ نہیں۔ ہندو ہم سے چھُوت کرتے ہیں۔ ہم نے کبھی اس پر فساد نہیں کیا اور ہندو اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں ملازمت نہیں صنعت و حرفت نہیں۔ وہ ہم کو بتائیں کہ آخر ہم بھی اپنی ضروریات رکھتے ہیں اگر ان کے پورا کرنے کے لئے ہم تجارت کریں اور جن چیزوں میں وہ ہم سے چھُوت کرتے ہیں ہم ان سے کریں تو انہیں بُرا کیوں منانا چاہئے۔ مَیں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے بڑھنے پر اعتراض نہ کریں بلکہ خوش ہوں، جس طرح ہم ان کے بڑھنے پر خوش ہوتے ہیں۔

ایک غور طلب نکتہ

ہندو یاد رکھیں کہ ان کی پہلی تباہی سات کروڑ شودروں کی وجہ سے ہوئی تھی اور وہ شودر نہ ہوتے تو کامیاب ہو جاتے۔ اب وہ ہم کو اچھوت اور شودر بنانا چاہتے ہیں وہ اس سے پرہیز کریں کہ پھر پندرہ کروڑ شودر ان کے لئے اور نقصان کا موجب ہوں گے۔ ہماری ترقی سے ان کا ہاتھ مضبوط ہو گا۔ پھر ان کو ہم سے گلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہماری اس تجارتی جدوجہد سے خوش ہونا چاہئے۔ ہاں میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جب کوئی قوم کمزور ہو تو اس قوم کا حق ہوتا ہے کہ اس کی مدد کی جاوے۔ تم اگر ہماری مدد نہیں کر سکتے تو ہم کو آپ اپنی مدد کرنے دو۔

آئے دن اسمبلی میں اس قسم کے امور پیش ہوتے رہتے ہیں مثلاً روئی کے متعلق مدد کے لئے کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہندو اور مسلمان بھائی کہتے ہیں کہ ٹیکس انگلستان کے طریق پر نہ ہوں تاکہ صنعت و حرفت ترقی کرے۔ چھوٹا پودا بڑے پودے کے سایہ میں پنپ نہیں سکتا۔

مسلمان ترقی نہ کر سکیں گے جب تک ان کے بھائی ہندو عہد نہ کریں کہ ہم ان کی مدد کریں گے۔ جب مسلمانوں کی حالت مضبوط ہو جاوے اور چھُوت چھات چھوٹ جاوے جیسا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے، اس وقت یہ سب روکیں دور ہو جائیں گی۔ اس وقت مسلمان اپنے بھائیوں کی اور اپنی مدد آپ کریں اپنی تجارت کو ترقی دیں مگر بائیکاٹ نہ کریں اور اقتصادی ترقی کے لئے جو سمجھوتہ بھی ہو اسے نہ چھوڑا جاوے۔

علمی آزادی

اسی طرح علمی آزادی ہو۔ اب مسلمانوں کے لئے عام طور پر مدرسی اور ڈاکٹری اور وکالت میں کچھ موقع ہے۔ دوسرے شعبوں کی طرف ان کی توجہ نہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ واقف نہیں ہوتے اور قومی حیثیت سے کوئی ایسا محکمہ یا

ذریعہ نہیں جس سے ان کو زندگی کے مختلف شعبوں میں علمی ترقی کا موقع مل سکے اس لئے ضرورت ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ مدرّسین سے پوچھ کر فیصلہ کریں کہ طالب علم کے مذاق اور رجحان طبیعت کے لحاظ سے اسے کدھر جانا چاہئے اور کن کن محکموں کے راستے کھلے ہیں۔ جب یہ انتظام ہو جاوے تو وہ ہر علمی حصہ میں ترقی کر سکیں گے اور انڈسٹری اور گورنمنٹ کی ملازمت میں بھی انہیں پورا حصہ مل سکے گا۔ ہم نے یہ غلطی کی کہ خود کوئی سکیم اس کے لئے تیار نہ کی اور نہ تعلیم یافتہ لوگوں کی فہرست تیار کی۔ تاکہ ہم گورنمنٹ کے وقتاً فوقتاً پیش کرتے۔ لیکن اگر اب تک ہم ایسا نہیں کر سکے تو آئندہ زیادہ دیر تک اس غلطی میں نہیں رہنا چاہئے۔

آخری بات تبلیغ

اب میں آخری بات کہہ کر ختم کر دیتا ہوں اور وہ تبلیغ ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ تبلیغ کریں۔ یہ مضمون وسیع ہے میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ مسلمان توجہ کریں۔ اور یہ کہوں گا کہ طریق تبلیغ میں اس امر کو مدنظر رکھیں کہ ایک وحشی کو جو ہم سے بھاگتا ہے اپنے اندر داخل کرنا ہے۔ دیکھو اگر تم ایک پرند کو پکڑنا چاہو تو اس کو پتھر مارنا چاہئے یا اپنے ساتھ ملانا چاہئے۔ اگر وحشی پرند یا چرند کے دل کو رام کرنے کی ضرورت ہے تو کیوں اس شخص کے ساتھ محبت اور اخلاق سے پیش آنے کی ضرورت نہیں جس کو تم تبلیغ کرنا چاہتے ہو۔ یہ کوئی خیالی بات نہیں قرآن شریف نے یہی اصول تسلیم کیا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ [۲]

پس اگر تبلیغ فرض ہے اور ضرور فرض ہے۔ اگر اس فرض کو ادا کرنا ہے اور ضرور کرنا ہے تو یاد رکھو کہ ان کے احساسات کا لحاظ کرو تاکہ وہ تمہاری بات سن سکیں۔ ان کے بزرگوں کا احترام کرو۔ یہ طریق تبلیغ نہیں کہ دوسروں پر حملہ کریں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ ہندو حملہ نہیں کرتے اور ہمارے احساسات کو مجروح نہیں کرتے۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ وہ بھی ایسا کرتے ہیں مگر اس وقت میرا خطاب مسلمانوں سے ہے۔ میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ اپنی تقریر و تحریر میں اس اصل کو مدنظر رکھیں۔ میرے ہندو بھائی مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے چھوت چھات کی تحریک کیوں کی ہے؟ میں کہہ چکا ہوں کہ کسی منافرت کے خیال سے نہیں۔ ہندو اخبارات کو پڑھو، انہوں نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے کہ میں اپنی تحریروں اور تقریروں میں ان کے بزرگوں کا احترام کرتا ہوں۔ میری کتابیں موجود ہیں جو سینکڑوں صفحات کی ہوں گی، ان میں کوئی نہیں دکھا سکتا کہ مَیں نے اس اصل کو چھوڑا ہو۔ پس میں نے منافرت کے خیال سے نہیں بلکہ میں نے دیکھا کہ میری قوم کی بھلائی

اسی میں ہے اور کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا میرا مقصود نہیں۔ اس طریق کو اختیار کرو تب فائدہ ہوگا۔ اب میں آخری اور مختصر سے جملہ پر ختم کردیتا ہوں۔ میں جبکہ تمام لوگوں سے صلح اور مودّت کی تعلیم دیتا ہوں۔ ہندو، سکھ، عیسائی جو کوئی بھی یہاں موجود ہیں میں ان سے صاف صاف کہتا ہوں کہ صلح اور آشتی کے لئے ہم ہر قربانی کے لئے تیار ہیں مگر میں اس کے ساتھ ہی پوری قوت اور زور کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ جنگل کے درندوں اور سانپوں سے ہم صلح کرسکتے ہیں مگر ہم ان سے کبھی بھی صلح نہیں کرسکتے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔

---

۱ الفاتحۃ: ۱تا۷ ۲ الشعرآء: ۴

۳ ترمذی ابواب الدعوات بَابُ مَاجَاءَ فِیْ فَضْلِ الدُّعَاءِ

۴ البقرۃ: ۱۴۹ ۵ یوسف: ۸۸

۶ کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۶۸۶ مطبوعہ ۱۹۷۱ء

۷ النحل: ۱۲۶